اس شمارے میں

حرفِ اوّل	حافظ خالد محمود خضر	2
مطالعہ قرآن حکیم		
سورۃ الفاتحہ	ڈاکٹر اسرار احمد	3
فہم القرآن		
ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	24
نباتاتِ قرآن		
قِثّاء	سید قاسم محمود	33
حکمتِ نبویؐ		
حوضِ کوثر	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	36
فکر و نظر		
عربی زبان کی اہمیت	محمد جعفر بھٹکلی ندوی	39
توضیح و تنقیح		
چہرے کا پردہ۔ واجب، مستحب یا بدعت؟(۲)	حافظ محمد زبیر	47
تعارف و تبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	63

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ : ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر

حافظ عاطف وحید

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۵   ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ۔ جنوری ۲۰۰۶ء   شمارہ ۱۰

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرتعاون: 100 روپے' فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے   امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرف اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دورۂ ترجمۂ قرآن کی اشاعت کا آغاز

مرکزی انجمن خدام القرآن کی دعوت رجوع الی القرآن کے ترجمان ماہنامہ ''حکمت قرآن'' کے زیر نظر شمارے سے اس کی مسلسل اشاعت کے پچیسویں سال کا آغاز ہو رہا ہے۔ گزشتہ چوبیس سال کے دوران یہ ماہنامہ قرآن حکیم کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت میں مقدور بھر حصہ لے رہا ہے۔ چنانچہ حکمت قرآن میں جہاں مختلف اصحابِ علم و دانش کے گراں قدر علمی و تحقیقی مضامین منفرد طور پر شائع ہوتے رہے ہیں' وہاں بعض طویل سلسلہ ہائے مضامین بھی تشنگانِ علم کی سیرابی کا ذریعہ بنتے رہے ہیں۔ ان سلسلہ ہائے مضامین میں مولانا محمد تقی امینیؒ کی تفسیر ہدایت القرآن' پروفیسر حافظ احمد یار صاحبؒ کا سلسلہ لغات و اعراب قرآن اور داعی رجوع الی القرآن محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا سلسلۂ تقاریر الکتاب اور مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب بہت نمایاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سلسلۂ مضامین کئی سال پر محیط رہا ہے۔ مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب جو دعوت رجوع الی القرآن اور فریضہ اقامت دین کی جدوجہد میں بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے' اس کے دروس کا سلسلہ حکمت قرآن کے صفحات میں لگ بھگ آٹھ برس تک جاری رہا اور دسمبر 2004ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

سال 2005ء کے دوران ''تعارفِ قرآن'' پر محترم ڈاکٹر صاحب کے خطابات کو مرتب کر کے حکمت قرآن میں شائع کیا گیا' جنہیں اب کتابی شکل میں یک جا کیا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں اگلا سلسلہ محترم ڈاکٹر صاحب کا ''دورۂ ترجمۂ قرآن'' ہے' جس کا آغاز زیر نظر شمارے سے کیا جا رہا ہے۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کو دعوت رجوع الی القرآن اور فریضہ اقامت دین کی جدوجہد میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ قارئین حکمت قرآن بخوبی آگاہ ہیں کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے رمضان المبارک 1404ھ میں قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع القرآن میں نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا آغاز فرمایا تھا جسے بحمد اللہ اس قدر قبولِ عام حاصل ہوا کہ اس وقت ملک بھر میں متعدد مقامات کے علاوہ بعض بیرونی ممالک میں بھی رمضان المبارک کی راتوں میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مزید برآں محترم ڈاکٹر صاحب کے دورۂ ترجمۂ قرآن سے دنیا کے طول و عرض میں آڈیو، ویڈیو کیسٹس اور کمپیوٹر سی ڈیز کے علاوہ ٹیلی وژن نیٹ ورک کے ذریعے استفادہ کیا جا رہا ہے۔ تاہم یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ اس spoken تفسیر کو تحریری شکل میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ حکمت قرآن کے زیر نظر شمارے میں ''سورۃ الفاتحہ'' کی اشاعت اس کا نقطۂ آغاز ہے' السعی منا والا تمام من اللہ oo

سُورۃُ الفاتحۃ

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 6/1/0
۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ (آمین)

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ

سورۃ الفاتحہ اگرچہ قرآن حکیم کی مختصر سورتوں میں سے ہے‘ اس کی کُل سات آیات ہیں‘ لیکن یہ قرآن حکیم کی عظیم ترین سورت ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کو اُمّ القرآن بھی کہا گیا ہے اور اساس القرآن بھی۔ یعنی یہ پورے قرآن کے لیے جڑ‘ بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ الفاتحہ کس اعتبار سے ہے؟ فَتَحَ یَفْتَحُ کے معنی ہیں کھولنا۔ چونکہ قرآن حکیم شروع اس سورت سے ہوتا ہے لہٰذا یہ ’’سورۃ الفاتحہ‘‘ (The Opening Surah of the Qur'an) ہے۔ اس کا ایک نام ’’الکافیہ‘‘ یعنی کفایت کرنے والی ہے‘ جبکہ ایک نام ’’الشافیہ‘‘ یعنی شفا دینے والی ہے۔

دوسری بات یہ نوٹ کیجئے کہ یہ سورۂ مبارکہ پہلی مکمل سورت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے متفرق آیات نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے سورۃ العلق کی پانچ آیتیں' پھر سورۂ نٓ یا سورۃ القلم کی سات آیتیں' پھر سورۃ المزمل کی نو آیتیں' پھر سورۃ المدثر کی سات آیتیں اور پھر سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں نازل ہوئیں۔ لیکن یہ پہلی مکمل سورت ہے جو نازل ہوئی ہے رسول اللہ ﷺ پر۔ سورۃ الحجر میں ایک آیت بایں الفاظ آئی ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾

''ہم نے (اے نبیؐ!) آپؐ کو سات ایسی آیات عطا کی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔''

سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں دوہرا دوہرا کر پڑھی جاتی ہیں' نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں' اور یہ سورۂ مبارکہ خود اپنی جگہ پر ایک قرآنِ عظیم ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُوْتِيْتُهٗ)) (۱)

''سورۃ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہی ''سبع مثانی'' اور ''قرآن عظیم'' ہے جو مجھے عطا ہوئی ہے۔''

تعداد کے اعتبار سے اس کی سات آیات متفق علیہ ہیں۔ البتہ اہل علم میں ایک اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک' جن میں امام شافعی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں' آیت بسم اللہ بھی سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے۔ ان کے نزدیک ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت اور ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ ساتویں آیت ہے۔ لیکن دوسری طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ آیت بسم اللہ سورۃ الفاتحہ کا جزء نہیں ہے' بلکہ آیت بسم اللہ قرآن مجید کی کسی بھی سورۃ کا جزء نہیں ہے' سوائے ایک مقام کے جہاں وہ متن میں

(۱) صحیح البخاری' باب تفسیر القرآن' قولہ' وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ۔

آئی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو جو خط لکھا تھا اس کا تذکرہ سورۃ النمل میں بایں الفاظ آیا ہے: اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ سورتوں کے آغاز میں یہ علامت کے طور پر لکھی گئی ہے کہ یہاں سے نئی سورۃ شروع ہو رہی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پانچویں آیت ہے' جبکہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ چھٹی اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ساتویں آیت ہے۔ جن حضرات کے نزدیک آیت بسم اللہ سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے وہ نماز میں جہری قراءت کرتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بھی بالجہر پڑھتے ہیں' اور جن حضرات کے نزدیک یہ سورۃ الفاتحہ کا جزء نہیں ہے وہ جہری قراءت کرتے ہوئے بھی بسم اللہ خاموشی سے پڑھتے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے قراءت شروع کرتے ہیں۔

نماز کا جزو لازم

اس سورۂ مبارکہ کا اسلوب کیا ہے؟ یہ بہت اہم اور سمجھنے کی بات ہے۔ ویسے تو یہ کلام اللہ ہے' لیکن اس کا اسلوب دعائیہ ہے۔ یہ دعا اللہ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ مجھ سے اس طرح مخاطب ہوا کرو' جب میرے حضور میں حاضر ہو تو یہ کہا کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ اسی بناء پر قرآن مجید کی اس سورت کو نماز کا جزو لازم قرار دیا گیا ہے' بلکہ سورۃ الفاتحہ ہی کو حدیث میں ''الصَّلاۃ'' کہا گیا ہے' یعنی اصل نماز سورۃ الفاتحہ ہے۔ باقی اضافی چیزیں ہیں' تسبیحات ہیں' رکوع و سجود ہیں' قرآن مجید کا کچھ حصہ آپ اور بھی پڑھ لیتے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))(۱) یعنی جو شخص (نماز میں) سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب وجوب القراءۃ للامام والمأموم الخ۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ الخ۔

بہت سی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے۔

اس اعتبار سے بھی ہمارے ہاں ایک فقہی اختلاف موجود ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کو اتنا اہم سمجھا ہے کہ آپ باجماعت نماز پڑھ رہے ہیں تب بھی ان کے نزدیک آپ امام کے ساتھ ساتھ ضرور سورۃ الفاتحہ پڑھیں گے۔ چنانچہ امام ہر آیت کے بعد وقفہ دے۔ امام جب کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ تو اس کے بعد مقتدی بھی کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ خواہ اپنے دل میں کہے۔ پھر امام کہے: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ تو مقتدی بھی دل میں کہہ لے: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ۔ یہ موقف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا کہ نماز چاہے جہری ہو چاہے سرّی ہو' اگر آپ امام کے پیچھے پڑھ رہے ہیں تو امام اپنی سورۃ الفاتحہ پڑھے گا اور آپ اپنی پڑھیں گے اور لازماً پڑھیں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف اس کے بالکل برعکس ہے کہ امام جب سورۃ الفاتحہ پڑھے گا تو ہم پیچھے بالکل نہیں پڑھیں گے' بلکہ امام کی قراءت ہی مقتدیوں کی قراءت ہے۔ ان کا استدلال آیت قرآنی ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ﴾ (الاعراف) اور حدیث نبویؐ ((مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ)) [1] سے ہے۔ نیز اُن کا کہنا ہے کہ نماز باجماعت میں امام کی حیثیت سب کے نمائندے کی ہوتی ہے۔ اگر کوئی وفد کہیں جاتا ہے اور اس وفد کا کوئی سربراہ ہوتا ہے تو وہاں جا کر گفتگو وفد کا سربراہ کرتا ہے' باقی سب لوگ خاموش رہتے ہیں۔

اب اس ضمن میں ایک انتہائی معاملہ تو وہ ہو گیا جو امام شافعیؒ کا موقف ہے کہ چاہے جہری نماز ہو چاہے سرّی ہو' اس میں امام کے پیچھے مقتدی بھی سورۃ الفاتحہ پڑھیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ظہر اور عصر سرّی نمازیں ہیں' ان میں امام خاموشی سے قراءت کرتا ہے' بلند آواز سے نہیں پڑھتا' جبکہ فجر' مغرب اور عشاء جہری نمازیں

(۱) سنن ابن ماجہ' کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها' باب اذا قرأ الامام فانصتوا۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔

ہیں‘ جن میں سورۃ الفاتحہ اور قرآن کا مزید کچھ حصہ پہلی دو رکعتوں میں آواز کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا موقف ہے کہ نماز خواہ جہری ہو خواہ سرّی ہو‘ نماز باجماعت کی صورت میں مقتدی خاموش رہے گا اور سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھے گا۔

ان کے علاوہ ایک درمیانی مسلک بھی ہے اور وہ امام مالکؒ اور امام ابن تیمیہؒ وغیرہما کا ہے۔ اس ضمن میں اُن کا موقف یہ ہے کہ جہری رکعت میں مقتدی سورۃ الفاتحہ مت پڑھے‘ بلکہ امام کی قراءت خاموشی سے سنے‘ ازروئے نصِ قرآنی: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الاعراف) ’’اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم پوری توجہ سے اسے سنا کرو اور خود خاموش رہا کرو‘ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘ اسی طرح حدیث نبویؐ ہے: ((اِذَا قَرَأَ [الْاِمَامُ] فَاَنْصِتُوْا))(۱) ’’جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔‘‘ چنانچہ جب امام بالجہر قراءت کر رہا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ تو آپ سنیے اور خود خاموش رہیے‘ لیکن جو سرّی نماز ہے اس میں امام اپنے طور پر سورۃ الفاتحہ پڑھے اور آپ اپنے طور پر خاموشی سے پڑھیں۔ یہ درمیانی موقف ہے‘ اور میں نے بہرحال اسی کو اختیار کیا ہوا ہے۔

فطرتِ سلیمہ کی پکار

سورۃ الفاتحہ کے ضمن میں‘ میں نے عرض کیا کہ یہ دُعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں تلقین کی ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر ذرا قرآن مجید کی حکمت اور فلسفہ پر اگر غور کریں گے تو اس سورت کی ایک اور شان سامنے آئے گی۔ بنیادی طور پر قرآن کا فلسفہ کیا ہے؟ انسان اس دنیا میں جب آتا ہے تو فطرت لے کر آتا ہے‘ جسے قرآن حکیم ’’فِطْرَتَ اللّٰهِ‘‘ قرار دیتا ہے‘ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰) یہی حقیقت حدیثِ نبویؐ میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہے: ((مَا

(۱) صحيح مسلم‘ كتاب الصلاة‘ باب التشهد في الصلاة۔ وسنن ابن ماجه‘ كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها‘ باب اذا قرأ الامام فانصتوا۔

مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلاَّ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ' فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ)) (۱)
''(نسل انسانی کا) ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' لیکن یہ اس کے والدین ہیں جو اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں''۔ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے فطرتِ اسلام لے کر آتا ہے۔ تو انسان کی فطرت کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت اور اپنی محبت ودیعت کر دی ہے۔ اس لیے کہ جو روحِ انسانی ہے وہ کہاں سے آئی ہے؟ ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ ''(اے نبیؐ!) یہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ روح میرے ربّ کے امر میں سے ہے۔'' ہماری روح ربّ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے' لہٰذا اس کے اندر اللہ کی معرفت بھی ہے' اللہ کی محبت بھی ہے۔ تو جب تک ایک انسان کی فطرت میں کوئی کجی نہ آئے' وہ بے راہ روی (perversion) سے محفوظ رہے تو اسے ہم کہتے ہیں فطرتِ سلیمہ' یعنی سالم اور محفوظ فطرت۔ اس فطرت والا انسان جب بلوغ کو پہنچتا ہے اور اسے عقل سلیم بھی مل جاتی ہے' یعنی صحیح صحیح انداز میں غور کرنے کی صلاحیت مل جاتی ہے تو ان دونوں چیزوں کے امتزاج کے نتیجہ میں ایمانیات کے کچھ بنیادی حقائق انسان پر خود منکشف ہو جاتے ہیں' خواہ اسے کوئی وحی ملے یا نہ ملے۔ یہ ہے فطرت کا معاملہ اور یہ ہے قرآن کی حکمت اور فلسفہ کا اصول۔ اس کی ایک بڑی شاندار مثال قرآن مجید میں حضرت لقمان کی دی گئی ہے' جو نہ نبی تھے نہ کسی نبی کے پیروکار اور اُمتی تھے' لیکن انہیں اللہ نے حکمت عطا فرمائی تھی۔

''حکمت'' فطرتِ سلیمہ' قلب سلیم اور عقل سلیم کے امتزاج سے وجود میں آتی ہے۔ اگر فطرت بھی محفوظ ہے' عقل بھی ٹیڑھ پر نہیں چل رہی' بلکہ صحیح اور سیدھے راستے پر چل رہی ہے تو ان دونوں کے امتزاج سے جو حکمت پیدا ہوتی ہے' انسان کو جو دانائی (wisdom) میسر آتی ہے اس کے نتیجہ میں وہ پہچان لیتا ہے کہ اس کائنات کا ایک پیدا کرنے والا ہے' یہ خود بخود نہیں بنی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اکیلا ہے' تنہا ہے' کوئی اس

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ما قیل فی اولاد المشرکین۔ وصحیح مسلم' کتاب القدر' باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ۔

کا سا بھی نہیں ہے۔ (لَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا مِثَالَ لَهٗ وَلَا مَثِيْلَ لَهٗ وَلَا كُفُوَ لَهٗ وَلَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ) کوئی اس کا مدّ مقابل نہیں ہے اور اس میں تمام صفاتِ کمال بتمام و کمال موجود ہیں۔ وہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ہے' بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم ہے' ہر جگہ موجود ہے' اور اس کی ذات میں کوئی نقص' کوئی عیب' کوئی کوتاہی' کوئی تقصیر' کوئی کمزوری' کوئی ضعف' کوئی احتیاج قطعاً نہیں ہے۔

یہ پانچ باتیں فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کے نتیجہ میں انسان کے علم میں آتی ہیں' چاہے اُسے ابھی کسی وحی سے فیض حاصل نہ ہوا ہو۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ چین کا بڑا فلسفی اور حکیم کنفیوشس ان تمام باتوں کو ماننے والا تھا' حالانکہ وہ نبی تو نہیں تھا! مزید برآں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انسانی زندگی صرف یہ دنیا کی زندگی نہیں ہے' اصل زندگی ایک اور ہے جو موت کے بعد شروع ہوگی اور اس میں انسان کو اس زندگی کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا' نیکیاں کمائی ہیں تو ان کی جزا ملے گی اور بدیاں کمائی ہیں تو ان کی سزا ملے گی۔ یہ وہ حقائق ہیں کہ جہاں تک انسان اپنی عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ کی رہنمائی سے پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک ہستی جو یکتا ہے' وہی پیدا کرنے والا ہے' پروردگار ہے' عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ہے' بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم ہے' وہی رازق ہے' وہی خالق ہے' وہی مالک ہے' وہی مشکل کشا ہے' تو اب اسی کی بندگی ہونی چاہیے' اسی کا حکم ماننا چاہیے' اسی سے محبت کرنی چاہیے' اسی کو مطلوب بنانا چاہیے' اسی کو مقصود بنانا چاہیے۔ یہ اس کا منطقی نتیجہ ہے اور یہاں تک انسان عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ کی رہنمائی سے پہنچ جاتا ہے۔

درخواستِ ہدایت

البتہ اب آگے مسئلہ آتا ہے کہ میں کیا کروں کیا نہ کروں؟ اس میں بھی جہاں تک انفرادی معاملات ہیں' اُن کے ضمن میں ایک روشنی اللہ نے انسان کے باطن میں رکھی ہوئی ہے' اس کے ضمیر کے اندر' قلب اور روح کے اندر یہ روشنی موجود ہے کہ انسان نیکی اور بدی کو خوب جانتا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا

فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس) ''قسم ہے نفس انسانی کی اور جو اسے سنوارا (درست کیا' اس کی نوک پلک سنواری)' پھر اس میں نیکی اور بدی کا علم الہامی طور پر رکھ دیا۔'' ہر انسان جانتا ہے کہ جھوٹ بولنا برا ہے' سچ بولنا اچھا ہے' وعدہ پورا کرنا اچھا ہے' وعدہ خلافی بری بات ہے' پڑوسی کو ستانا بہت بری بات ہے جبکہ پڑوسی کے ساتھ خوش خُلقی کے ساتھ پیش آنا انسانیت کا تقاضا ہے۔ تو انفرادی سطح پر بھی انسان صحیح اور غلط' حق اور باطل میں کچھ نہ کچھ فرق کر لیتا ہے۔ لیکن جب اجتماعی زندگی کا معاملہ آتا ہے تو اس کے لیے مجبوری ہے کہ وہ نہیں سمجھ سکتا کہ اعتدال کا راستہ کون سا ہے۔ عائلی زندگی میں عورت کا مقام کیا ہونا چاہیے' عورت کے حقوق کیا ہونے چاہئیں۔ چنانچہ ایک انتہا تو یہ ہے کہ دنیا میں عورت کو مرد کی ملکیت بنا لیا گیا۔ جیسے بھیڑ بکری کسی کی ملکیت ہے' ایسے ہی گویا بیوی بھی خاوند کی ملکیت ہے' اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں' اس کے کوئی حقوق ہی نہیں' اس کا کوئی legal status ہی نہیں' اس کے کوئی دستوری حقوق ہی نہیں۔ وہ نہ کسی شے کی مالک ہو سکتی ہے' نہ کوئی کاروبار کر سکتی ہے۔ اور ایک انتہا یہ ہوتی ہے کہ کوئی قلوپطرہ ہے جو کسی قوم کی سربراہ بن کر بیٹھ جائے اور پھر اس کا بیڑا غرق کر دے' جیسے مصر کا بیڑا قلوپطرہ نے غرق کیا۔ تو یہ دو متضاد انتہائیں ہیں۔

آج ہمیں مغرب میں نظر آ رہا ہے کہ مرد و زن بالکل شانہ بشانہ اور برابر ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ فیملی لائف ختم ہو کر رہ گئی۔ اب وہاں صرف one parent family ہے۔ بل کلنٹن نے سالِ نو پر اپنی قوم کو جو پیغام دیا تھا اس میں کہا تھا کہ عنقریب ہماری امریکی قوم کی عظیم اکثریت حرام زادوں پر مشتمل ہو گی۔ (اُس نے الفاظ استعمال کیے تھے Born without any wedlock)۔ حلال زادہ اور حرام زادہ میں یہی تو فرق ہے کہ اگر ماں باپ کا نکاح ہوا ہے' شادی ہوئی ہے تو ان کے ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ ان کی حلال اور جائز اولاد ہے۔ لیکن اگر ایک مرد اور ایک عورت نے بغیر نکاح کے تعلق قائم کر لیا ہے تو اس طرح بغیر کسی Legal marriage کے' بغیر کسی شادی کے بندھن کے جو اولاد ہو گی وہ حرامی

ہے۔ بل کلنٹن کو معلوم تھا کہ ان کے یہاں اب جو بچے پیدا ہو رہے ہیں وہ اکثر و بیشتر بغیر کسی شادی کے بندھن کے پیدا ہو رہے ہیں' لہٰذا اس نے کہا کہ عنقریب ہماری قوم کی اکثریت حرام زادوں پر مشتمل ہو گی۔ ایک قوم کی کج روی اور perversion کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے بنیادی فارموں میں سے باپ کا نام ہی نکال دیا ہے۔ اس لیے کہ بہت سے بچوں کو پتا ہی نہیں ہے کہ ہمارا باپ کون ہے' وہ تو اپنی ماں سے واقف ہیں' باپ کے بارے میں انہیں کچھ علم نہیں ہے۔

اسی طرح سرمایہ اور محنت کے درمیان حقوق و فرائض کا توازن کیا ہو' یہاں بھی انسان بے بس ہے۔ سرمایہ دار کی اپنی مصلحتیں ہیں اور مزدور کی اپنی مصلحتیں ہیں۔ سرمایہ دار کو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ مزدور پر کیا بیت رہی ہے' وہ کن مشقتوں میں ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات!

لہٰذا سرمایہ کے کیا حقوق ہیں اور لیبر کے کیا حقوق ہیں' ان میں توازن کیا ہو' یہ کس طرح معین ہو گا؟

اسی طرح کا معاملہ فرد اور معاشرے کا ہے۔ ایک طرف انفرادی حقوق اور انفرادی آزادی ہے اور دوسری طرف معاشرہ' قوم اور ریاست (state) ہے۔ کس کے حقوق زیادہ ہوں گے؟ ایک فرد کہتا ہے میں آزاد ہوں' میں مادر زاد برہنہ ہو کر سڑک پر چلوں گا' تم کون ہو مجھے روکنے والے؟ آیا اسے روکا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اسے روک دیا جائے تو اس کی آزادی پر قدغن ہو جائے گی۔ اگر اسے کہا جائے کہ تم اس طرح نہیں نکل سکتے تو آزادی تو نہیں رہی' اس کی مادر پدر آزادی تو ختم ہو جائے گی! لیکن ظاہر بات ہے کہ ایک ریاست اور معاشرہ کے کچھ اصول ہیں' اس کے کچھ اخلاقیات ہیں' کچھ قواعد و قوانین ہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ ان کی پابندی کی جائے' اور پابندی کرانے کے لیے وہ چاہتی ہے کہ اس کے پاس اختیارات ہوں' اتھارٹی ہو۔

دوسری طرف عوام یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے حقوق کا سارا معاملہ ہمارے اپنے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ اب اس میں اعتدال کا راستہ کون سا ہے؟

یہ ہے وہ عقدۂ لاینحل (dilemma) کہ جس میں انسان کے لیے اس کے سوا کوئی اور شکل نہیں ہے کہ گھٹنے ٹیک کر اللہ سے دعا کرے کہ پروردگار! میں اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتا' میں تجھ سے رہنمائی چاہتا ہوں۔ تو مجھے ہدایت دے' سیدھے راستہ پر چلا! میں نے تجھے پہچان لیا' میں نے یہ بھی جان لیا کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے اور حساب کتاب ہوگا اور مجھے جواب دہی کرنی پڑے گی' اور میں اس نتیجہ پر بھی پہنچ چکا ہوں کہ تیری ہی بندگی کرنی چاہیے' تیری ہی اطاعت کرنی چاہیے' تیرے ہی حکم پر چلنا چاہیے..... لیکن اس سے آگے میں کیا کروں کیا نہ کروں؟ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے؟ کیا جائز ہے کیا ناجائز ہے؟ میرا نفس تو مجھے اپنی مرغوب چیزوں پر اُکساتا ہے۔ لیکن جس چیز کے لیے میرے نفس نے مجھے اکسایا ہے وہ جائز بھی ہے یا نہیں؟ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ فوری طور پر تو مجھے اس سے مسرت حاصل ہو رہی ہے' مجھے اس سے لذت حاصل ہو رہی ہے' منفعت پہنچ رہی ہے' لیکن میں نہیں جانتا کہ آخر کار' نتیجے کے اعتبار سے یہ چیز معاشرے کے لیے اور خود میرے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے؟ اے اللہ! میں نہیں جانتا' تو مجھے ہدایت دے' مجھے راستہ دکھا' سیدھا راستہ' درمیانی راستہ' ایسا راستہ جو متوازن ہو' جس میں انصاف ہو' جس میں عدل اور قسط ہو' جس میں کسی کے حقوق ساقط نہ ہوں اور کوئی جابر بن کر مسلط نہ ہو جائے' جس میں نہ کوئی حزن و ملال اور مایوسی و درماندگی (depression) ہو' نہ کوئی معاشی استحصال ہو' نہ کوئی سماجی امتیاز ہو۔ اے ربّ! ان تینوں چیزوں سے پاک ایک صراطِ مستقیم میں اپنے ذہن سے تلاش نہیں کر سکتا' میرے فیصلے جو ہیں غلط ہو جائیں گے۔ تو میں ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس سیدھے راستے کی ہدایت بخش دے۔

یوں سمجھئے کہ پس منظر میں ایک شخص ہے جو اپنی سلامتیٔ طبع' سلامتیٔ فطرت اور سلامتیٔ عقل کی رہنمائی میں یہاں تک پہنچ گیا کہ اُس نے اللہ کو پہچان لیا' آخرت کو

پہچان لیا' یہ بھی طے کر لیا کہ راستہ ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کی بندگی کا راستہ' لیکن اس کے بعد اسے احتیاج محسوس ہو رہی ہے کہ مجھے بتایا جائے کہ اب میں دائیں طرف مڑوں یا بائیں طرف مڑوں؟ یہ مجھے نہیں معلوم۔ قدم قدم پر چوراہے آ رہے ہیں' سہ راہے آ رہے ہیں۔ ظاہر بات ہے ان میں سے ایک ہی راستہ ہوگا جو سیدھا منزلِ مقصود تک لے کر جائے گا۔ کہیں میں غلط موڑ مڑ گیا تو میرا حال اس شعر کے مصداق ہو جائے گا۔

رستم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دُور شد!

ایک چھوٹی سی غلطی انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ سیدھے راستہ سے آپ ذرا سا کج ہو گئے تو جتنا آپ آگے بڑھیں گے اسی قدر اس صراطِ مستقیم سے آپ کا فاصلہ بڑھتا چلا جائے گا۔ آغاز میں تو محض 10 ڈگری کا اینگل تھا' زیادہ فاصلہ نہیں تھا' لیکن یہ دس ڈگری کا اینگل کھلتا چلا جائے گا اور آپ صراطِ مستقیم سے دُور سے دُور تر ہوتے چلے جائیں گے۔

اللہ کرے کہ سورۃ الفاتحہ کو پڑھتے ہوئے ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہوں کہ ہمارا دل ٹھکا ہوا ہو' ہمیں اللہ پر ایمان' اللہ کی ربوبیت پر ایمان' اللہ کی رحمانیت پر ایمان' اللہ کے مالک یوم الدّین ہونے پر ایمان حاصل ہو۔ یہ بھی ہمارا عزم ہو اور ہمارا طے شدہ فیصلہ ہو کہ اُسی کی بندگی کرنی ہے' اور پھر اُس کے سامنے دست سوال دراز کریں کہ پروردگار ہمیں ہدایت عطا فرما!

سورۃ الفاتحہ کے تین حصے

اس سورۂ مبارکہ کے اسلوب کے حوالے سے اب میں اس کے مضامین کا تجزیہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس سورۂ مبارکہ کو آپ تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلی تین آیات میں اللہ کی حمد و ثنا ہے' آخری تین آیات میں اللہ سے دُعا ہے' جبکہ درمیان کی چوتھی آیت میں بندے کا اپنے رب سے ایک عہد و پیمان ہے۔ یہ گویا اللہ

اور بندے کا ایک hand shake ہے۔

جزو اوّل: پہلی تین آیات میں انسان کی طرف سے ان حقائق کا اظہار ہے جہاں تک وہ خود پہنچ گیا ہے۔ یہ تین آیتیں مل کر ایک جملہ بنتی ہیں۔ گرامر کے اعتبار سے بھی یہ بڑی خوبصورت تقسیم ہے۔ پہلی تین آیتوں میں (جو مل کر ایک جملہ بنتی ہیں) اللہ کی حمد وثنا ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۭ﴾

''کُل شکر اور کُل ثنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے۔ بہت رحم فرمانے والا' نہایت مہربان ہے' جزا وسزا کے دن کا مالک ومختار ہے''۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اَلْحَمْدُ مبتدا' لِلّٰهِ خبر۔ ''کُل تعریف (کُل حمد وثنا اور کُل شکر) اللہ کے لیے ہے۔'' اب وہ اللہ کون ہے؟ ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''جو تمام جہانوں کا مالک ہے (پروردگار ہے' پرورش کنندہ ہے)۔'' ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴾ ''جو رحمٰن اور رحیم ہے۔'' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں لام حرفِ جر ہے لہٰذا ''اللّٰہ'' مجرور ہے۔ اس کے بعد آنے والے کلمات رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ' الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ''اللّٰہ'' کا بدل ہونے کے باعث مجرور ہیں۔ یہ گویا ایک جملہ چلا آ رہا ہے: کُل حمد' کُل ثنا' کُل شکر اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے' مختار ہے' آقا ہے' پروردگار ہے' رحمٰن ہے اور رحیم ہے۔

نوٹ کر لیجیے کہ آیت بسم اللہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ یہ دونوں صفاتی نام ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' آئے ہیں۔ بلکہ دونوں جگہ اللہ کے لیے تین نام ہیں۔ سب سے پہلا نام ''اللّٰہ'' ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ہے۔ اگرچہ میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ یہ بھی ایک صفاتی نام ہے۔ ''الٰہ'' پر ''ال'' داخل ہو کر

''اللّٰہ'' بن گیا۔ لیکن بہر حال ''اللّٰہ'' کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے اور عرب میں سب سے زیادہ معروف یہی نام تھا۔ جب قرآن نے رحمٰن کا تذکرہ کرنا شروع کیا تو وہ حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ (مَا الرَّحْمٰنُ) تب یہ کہا گیا: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾ (بنی اسراء یل: ۱۱۰) ''(اے نبیؐ! ان سے) کہہ دو کہ اُسے اللہ کہہ کر پکار لو یا رحمٰن کہہ کر پکار لو' جو کہہ کر بھی پکارو گے تو تمام اچھے نام اُسی کے ہیں۔'' یہ تمام صفاتِ کمال اُسی کی ذات میں موجود ہیں۔

(Call the rose by any name it will smell as sweet)

اسم ''اللّٰہ'' کے تین معنی ہیں۔ تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے عرض کر رہا ہوں کہ عوام کے نزدیک اللہ سے مراد حاجت روا ہے' جس کی طرف انسان تکلیف اور مصیبت میں' مشکلات میں' رزق کے لیے اور اپنی دیگر حاجات کے لیے رجوع کرتا ہے۔ ''اللّٰہ'' کا ایک اور مفہوم یہ ہے کہ وہ ہستی جو انسان کو سب سے زیادہ محبوب ہو ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ یہ صوفیاء کرام کا تصور ہے۔ اور ایک ہے فلاسفہ کا تصور کہ ''اللّٰہ'' وہ ہستی ہے جس کی کنہ سے کوئی واقف نہیں ہو سکتا' اس کے بارے میں غور و فکر سے سوائے تحیّر کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو اس مادّہ ''ا ل ھ'' یا ''و ل ھ'' کے اندر تین معانی ہیں ـــــ (۱) وہ ہستی کہ جس کی طرف اپنی تکلیف و مصیبت کے رفع کرنے کے لیے اور اپنی ضروریات پوری کرانے کے لیے رجوع کیا جائے۔ (۲) وہ ہستی جس سے انتہائی محبت ہو۔ (۳) جس کی ہستی کا ادراک ممکن نہیں' جس کی کنہ ہمارے فہم اور ہمارے تصور سے ماوراء' وراء الوراء' ثم وراء الوراء ہے۔

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴾ رحمت کے مادہ سے یہ اللہ کے دو اسماء ہیں۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ رَحْمٰن' فَعْلَان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے' چنانچہ اس کے اندر مبالغہ کی کیفیت ہے' یعنی انتہائی رحم کرنے والا۔ اس لیے کہ عرب جو اس وزن پر کوئی لفظ لاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نہایت شدت ہے۔ مثلاً غَضْبان ''غصہ میں لال بھبھوکا شخص''۔ سورۃ الاعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے الفاظ آئے ہیں:

غَضْبَانَ اَسِفًا ''غصہ اور رنج میں بھرا ہوا''۔ عرب کہے گا: اَنَا عَطْشَانُ: میں پیاس سے مرا جا رہا ہوں۔ اَنَا جَوْعَانُ: میں بھوک سے مرا جا رہا ہوں۔ تو رحمٰن وہ ہستی ہے جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی مانند ہے۔

اور ''رَحِیْم'' فعیل کے وزن پر صفتِ مشبہ ہے۔ جب کوئی صفت کسی کی ذات میں مستقل اور دائم ہو جائے تو وہ فعیل کے وزن پر آتی ہے۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم دونوں صفات اکٹھی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے مانند بھی ہے اور اس کی رحمت میں دوام بھی ہے' وہ ایک دریا کی طرح مستقل رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی یہ دونوں شانیں بیک وقت موجود ہیں۔ ہم اس کا کچھ اندازہ ایک مثال سے کر سکتے ہیں۔ فرض کیجیے کہیں کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہو اور وہاں آپ دیکھیں کہ کوئی خاتون بے چاری مر گئی ہے اور اس کا دودھ پیتا بچہ اس کی چھاتی کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ یہ بھی پتا نہیں ہے کہ وہ کون ہے' کہاں سے آئی ہے' کوئی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر ہر شخص کا دل پسیج جائے گا اور ہر وہ شخص جس کی طبیعت کے اندر نیکی کا کچھ مادہ ہے' چاہے گا کہ اس لاوارث بچے کی کفالت اور اس کی پرورش کی ذمہ داری میں اٹھا لوں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ جذبات کے جوش میں آپ یہ کام تو کر جائیں لیکن کچھ دنوں کے بعد آپ کو پچھتاوا لاحق ہو جائے کہ میں خواہ مخواہ یہ ذمہ داری لے بیٹھا اور میں نے ایک بوجھ اپنے اوپر ناحق طاری کر لیا۔ چنانچہ ہمارے اندر رحم کا جو جذبہ ابھرتا ہے وہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے' وہ مستقل اور دائم نہیں ہے' جبکہ اللہ کی رحمت میں جوش بھی ہے اور دوام بھی ہے' دونوں چیزیں بیک وقت موجود ہیں۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ''وہ جزا اور سزا کے دن کا مالک ہے۔'' وہ مختارِ مطلق ہے۔ قیامت کے دن انسانوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کسی کی وہاں کوئی سفارش نہیں چلے گی' کسی کا وہاں زور نہیں چلے گا' کوئی دے دلا کر چھوٹ نہیں سکے گا' کسی کو کہیں سے مطلقاً کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اُس روز کہا جائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ''آج کس کے ہاتھ میں اختیار اور بادشاہی ہے؟'' لِلّٰهِ

الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ''اُس اللہ کے ہاتھ میں ہے جو اکیلا ہے اور پوری کائنات پر چھایا ہوا ہے۔''

اب دیکھئے گرامر کی رو سے یہ ایک جملہ مکمل ہوا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ ''کُل حمد وثنا اور شکر اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے' جو رحمٰن ہے' رحیم ہے' اور جو جزا و سزا کے دن کا مالک اور مختارِ مطلق ہے۔''

جزوِ ثانی : سورۃ الفاتحہ کا دوسرا حصہ صرف ایک آیت پر مشتمل ہے' جو ہر اعتبار سے اس سورۃ کی مرکزی آیت ہے:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾

''ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور ہم صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہتے رہیں گے''۔

ضمیر مخاطب ''کَ'' کو مقدم کرنے سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ پھر عربی میں فعل مضارع' زمانۂ حال اور مستقبل دونوں کے لیے آتا ہے' لہٰذا میں نے ترجمہ میں ان باتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ یہ بندے کا اپنے پروردگار سے عہد و پیمان ہے جسے میں نے hand shake سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا صحیح تصور ایک حدیث قدسی کی روشنی میں سامنے آتا ہے' جسے میں بعد میں پیش کروں گا۔ یہاں سمجھنے کا اصل نکتہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ کر لینا تو آسان ہے کہ اے اللہ! میں تیری ہی بندگی کروں گا' لیکن اس فیصلہ کو نبھانا بہت مشکل ہے۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

اللہ کی بندگی کے جو تقاضے ہیں ان کو پورا کرنا آسان نہیں ہے' لہٰذا بندگی کا عہد کرنے کے فوراً بعد اللہ کی پناہ میں آنا ہے کہ اے اللہ! میں اس ضمن میں تیری ہی مدد چاہتا ہوں۔ فیصلہ تو میں نے کر لیا ہے کہ تیری ہی بندگی کروں گا اور اس کا وعدہ کر رہا ہوں'

لیکن اس پر کاربند رہنے کے لیے مجھے تیری مدد درکار ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے اذکارِ ماثورہ میں ہر نماز کے بعد آپ ﷺ کا ایک ذکر یہ بھی ہے: ((رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))(۱) ''پروردگار! میری مدد فرما کہ میں تجھے یاد رکھ سکوں' تیرا شکر ادا کر سکوں اور تیری بندگی احسن طریقے سے بجا لاؤں۔'' تیری مدد کے بغیر میں یہ نہیں کر سکوں گا۔

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝﴾ جب بھی آپ اس آیت کو پڑھیں تو آپ کے اوپر ایک خاص کیفیت طاری ہونی چاہیے کہ پہلے کپکپی طاری ہو جائے کہ اے اللہ! میں تیری بندگی کا وعدہ تو کر رہا ہوں' میں نے ارادہ تو کر لیا ہے کہ تیرا بندہ بن کر زندگی گزاروں گا' میں تیری جناب میں اس کا اقرار کر رہا ہوں' لیکن اے اللہ! میں تیری مدد کا محتاج ہوں' تیری طرف سے توفیق ہوگی' تیسیر ہوگی' تعاون ہوگا' نصرت ہوگی تب ہی میں یہ عہد و پیمان پورا کر سکوں گا' ورنہ نہیں۔

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝﴾ آیت ایک ہے لیکن جملے دو ہیں۔ ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' مکمل جملہ ہے' جملہ فعلیہ انشائیہ' اور ''اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ'' دوسرا جملہ ہے۔ بیچ میں حرفِ عطف واؤ ہے۔ اس سے پہلے اس سورۂ مبارکہ میں کوئی حرفِ عطف نہیں آیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری صفات اُس کی ذات میں بیک وقت موجود ہیں۔ یہاں حرفِ عطف آ گیا: ''اے اللہ! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے'' اور ''تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے''۔ ہمارا سارا دار و مدار اور توکل تجھ ہی پر ہے۔ ہم تیری مدد ہی کے سہارے پر اتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم تیری ہی بندگی کرتے رہیں گے۔

ہم نمازِ وتر میں جو دعائے قنوت پڑھتے ہیں کبھی آپ نے اس کے مفہوم پر بھی غور کیا ہے؟ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کے حضور بہت بڑا اقرار کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْكَ وَنُثْنِیْ

(۱) سنن النسائی' کتاب السھو' باب نوع آخر من الدعاء۔

عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ، وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ

''اے اللہ! ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں' اور تجھ ہی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں' اور ہم تجھ پر ایمان رکھتے ہیں' اور تجھ پر توکل کرتے ہیں' اور تیری تعریف کرتے ہیں' اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے۔ اور ہم علیحدہ کر دیتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں ہر اُس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں' اور ہم تیری طرف کوشش کرتے ہیں اور ہم حاضری دیتے ہیں۔ اور ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں' بے شک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔''

واقعہ یہ ہے کہ اس دعا کو پڑھتے ہوئے لرزہ طاری ہوتا ہے کہ کتنی بڑی بڑی باتیں ہم اپنی زبان سے نکال رہے ہیں۔ ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ ''اے اللہ! ہم صرف تیری ہی مدد چاہتے ہیں'' لیکن نہ معلوم کس کس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور کس کس کے سامنے جبیں سائی کرتے ہیں' کس کس کے سامنے اپنی عزتِ نفس کا دھیلا کرتے ہیں۔ پھر یہ الفاظ دیکھئے: نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ کہ جو بھی تیری نافرمانی کرے اسے ہم علیحدہ کر دیتے ہیں' اس کو ہم چھوڑ دیتے ہیں' اس سے ترکِ تعلق کر لیتے ہیں۔ لیکن کیا واقعۃً ہم کسی سے ترکِ تعلق کرتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں دوستی ہے' رشتہ داری ہے کیا کریں' وہ اپنا عمل جانیں میں اپنا عمل جانوں۔ ہمارا طرزِ عمل تو یہ ہے۔ تو کتنا بڑا دعویٰ ہے اس دُعا کے اندر؟ اور وہ پورا دعویٰ اس ایک جملے میں مضمر ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ ''پروردگار! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے''۔ چنانچہ اُس وقت فوری طور پر بندے کے سامنے یہ کیفیت آ جانی چاہیے کہ اے اللہ میں یہ اسی صورت میں کر سکوں گا اگر تیری مدد شاملِ حال رہے۔

جزو ثالث : سورۃ الفاتحہ کا تیسرا حصہ تین آیات پر مشتمل ہے' تاہم یہ ایک ہی جملہ

بنتا ہے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ﴾ (آمین!)

''(اے ربّ ہمارے!) ہمیں ہدایت بخش سیدھی راہ کی۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہوا' جو نہ تو مغضوب ہوئے اور نہ گمراہ''۔

اب دیکھئے' یہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہی کی تشریح ہے جو آخری تین آیتوں میں ہے۔ ہمیں اللہ سے کیا مدد چاہیے؟ پیسہ چاہیے؟ دولت چاہیے؟ نہیں نہیں! اے اللہ ہمیں یہ نہیں چاہیے۔ پھر کیا چاہیے؟ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴾ ''ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما'' یہ جو زندگی کے مختلف معاملات میں دوراہے' سہ راہے اور چوراہے آ جاتے ہیں' وہاں ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ صحیح کیا ہے' غلط کیا ہے۔ لہٰذا اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت بخش۔ ''اِھْدِ'' ہدایت سے فعل امر ہے کہ ہمیں ہدایت دے۔ ہدایت کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ سیدھا راستہ بتا دیا جائے۔ ہدایت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ سیدھا راستہ دکھا دیا جائے' اور ہدایت کا آخری مرتبہ یہ ہے کہ انگلی پکڑ کر سیدھے راستے پر چلایا جائے' جیسے بچوں کو لے کر آتے ہیں۔ لہٰذا سیدھے راستے کی ہدایت کی دعا میں یہ سارے مفہوم شامل ہوں گے۔ اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے۔ اے اللہ! اس سیدھے راستے کے لیے ہمارے سینوں کو کھول دے۔ اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْاِیْمَانِ وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا لِلْاِسْلَامِ ''اے اللہ! ہمارے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منوّر کر دے اور ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دے۔'' ہمیں اس پر انشراحِ صدر ہو جائے۔ اور پھر یہ کہ ہمیں اس سیدھے راستے کے اوپر چلا۔

اب آگے اس صراطِ مستقیم کی بھی وضاحت ہے' اور یہ وضاحت دو طرح سے ہے۔ صراطِ مستقیم کی وضاحت ایک مثبت انداز میں اور ایک منفی انداز میں کی گئی ہے۔ مثبت انداز یہ ہے کہ ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ﴾ ''(اے اللہ!) ان لوگوں کے راستہ پر (ہمیں چلا) جن پر تو نے اپنا انعام نازل فرمایا'' یہ مضمون جا کر سورۃ النساء

میں کھلے گا کہ منعم علیہم چار گروہ ہیں: ﴿مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾ ''کہ وہ نبی' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں۔ اور بہت ہی خوب ہے ان کی رفاقت۔'' اے اللہ! ان کے راستہ پر ہمیں چلا۔ یہ تو مثبت بات ہوگئی۔ منفی انداز یہ اختیار فرمایا: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ ''نہ اُن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ہی وہ گمراہ ہوئے۔'' جو لوگ صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے وہ دو قسم کے ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ جو شرارتِ نفس کی وجہ سے غلط راستہ پر چلتا ہے اس پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے' اور جس کی نیت تو غلط نہیں ہوتی' لیکن وہ غلو کر کے جذبات میں آ کر کوئی غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے تو وہ ضالّ (گمراہ) ہے۔ چنانچہ ''مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' کی سب سے بڑی مثال یہود ہیں کہ اللہ کی کتاب ان کے پاس تھی' شریعت موجود تھی' لیکن شرارتِ نفس اور تکبر کی وجہ سے وہ غلط راستہ پر چل پڑے۔ جبکہ نصاریٰ ''ضَآلِّيْن'' ہیں' انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں صرف غلو کیا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں بھی بعض نعت گو اور نعت خواں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرتے ہیں تو مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کبھی انہیں اللہ سے بھی اوپر لے جاتے ہیں۔ یہ غلو ہوتا ہے' لیکن ہوتا ہے نیک نیتی سے' محبت سے۔ چنانچہ نصاریٰ نے حبِّ رسول میں غلو سے کام لیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔ ہمارے شیعہ بھائیوں میں سے بھی بعض لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا ہی بنا بیٹھے ہیں۔ مثلاً ع

''لیکن نہیں ہے ذاتِ خدا سے جدا علی!''

بہر حال یہ غلو ہوتا ہے جو انسان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں کہا گیا ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ (المائدۃ:۷۷) ''اے کتاب والو! اپنے دین میں ناحق غلو سے کام نہ لو''۔ لیکن نصاریٰ نے اپنے دین میں اور حضرت عیسیٰؑ کی محبت میں غلو سے کام لیا تو وہ گمراہ ہو گئے۔ تو اے اللہ! ان سب کے راستے سے ہمیں بچا کر سیدھے راستے پر چلا' جو صدیقین کا' انبیاء کا' شہداء کا اور صالحین کا راستہ ہے۔

حدیثِ قدسی

آخر میں وہ حدیث قدسی پیش کر رہا ہوں جس میں سورۃ الفاتحہ ہی کو الصَّلَاۃ (نماز) قرار دیا گیا ہے۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ' فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ' وَإِذَا قَالَ ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ' وَإِذَا قَالَ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ ـــــ وَقَالَ مَرَّةً: فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِيْ ـــــ فَإِذَا قَالَ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ' فَإِذَا قَالَ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ)) (۱)

''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا ہے (اس کا نصف حصہ میرے لیے اور نصف حصہ میرے بندے کے لیے ہے) اور میرے بندے کو وہ عطا کیا گیا جو اُس نے طلب کیا۔ جب بندہ کہتا ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی (میرا شکر ادا کیا)۔ جب بندہ کہتا ہے: "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب بندہ کہتا ہے: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی ـــــ اور ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''میرے بندے نے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا ـــــ (گویا یہ پہلا حصہ کُل کا کُل اللہ کے لیے ہے۔) پھر جب بندہ کہتا ہے: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حصہ میرے اور میرے بندے کے مابین مشترک ہے اور میں نے اپنے بندے

(۱) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ .....الخ

کو بخشا جو اُس نے مانگا۔ (گویا یہ حصہ ایک قول و قرار اور عہد و میثاق ہے۔ اسے میں نے کہا تھا کہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان hand shake ہے۔) پھر جب بندہ کہتا ہے: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' تو اللہ فرماتا ہے کہ یہ حصہ (کُل کا کُل) میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا وہ میں نے اُسے بخشا''۔

اس حدیث کی رو سے سورۃ الفاتحہ کے تین حصے بن جائیں گے۔ پہلا حصہ کلیتًا اللہ کے لیے ہے اور آخری حصہ کلیتًا بندے کے لیے' جبکہ درمیانی و مرکزی آیت: ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' بندے اور اللہ کے مابین قول و قرار ہے۔ گویا اس کا بھی نصف اوّل اللہ کے لیے اور نصفِ ثانی بندے کے لیے ہے۔ اس طرح نصف نصف کی تقسیم بتمام و کمال پوری ہوگئی!

ایک بات یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ اس حدیثِ قدسی میں ''قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ'' کے بعد آیت ''بسم اللہ'' کا ذکر نہیں ہے' بلکہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' سے بات براہِ راست آگے بڑھتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف درست ہے کہ آیت بسم اللہ سورۃ الفاتحہ کا جزو نہیں ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے اختتام پر ''آمین'' کہنا مسنون ہے۔ ''آمین'' کے معنی ہیں ''اے اللہ ایسا ہی ہو!'' اس سورۂ مبارکہ کا اسلوب چونکہ دعائیہ ہے' لہٰذا دعا کے اختتام پر ''آمین'' کہہ کر بندہ گویا پھر بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار! میں نے یہ عرضداشت تیرے حضور پیش کی ہے' تو اسے شرفِ قبول عطا فرما!

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم○○

(مرتّب: حافظ خالد محمود خضر)

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

نظر ثانی: حافظ محمد زبیر

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۷۴

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝﴾

ب ط ن

بَطَنَ (ن) بَطْنًا: چھپا ہوا ہونا' پوشیدہ ہونا۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ﴾ (الانعام:۱۵۲) ''اور تم لوگ قریب مت جاؤ بے حیائیوں کے' جو ظاہر ہوا اس سے اور جو پوشیدہ رہا۔''

بَاطِنٌ: (اسم الفاعل کے وزن پر صفت): پوشیدہ ہونے والا' یعنی پوشیدہ۔ ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۖ﴾ (الانعام:۱۲۰) ''اور تم لوگ چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو اور اس کے پوشیدہ کو۔''

بِطَانَۃٌ جمع بَطَائِنُ: راز دار' بھیدی' کپڑے کا استر۔ ﴿لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ (آل عمران:۱۱۸) ''تم لوگ مت بناؤ کسی کو راز دار اپنوں کے سوا۔'' ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍ

بَطَائِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ﴾ (الرحمٰن:٥٤) ''ٹیک لگائے ہوئے بچھونوں پر' ان کے استر بھڑ کیلے ریشم کے ہوں گے۔''

بَطْنٌ ج بُطُوْنٌ : پیٹ' کسی وادی کا نشیبی حصہ۔ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ﴾ (النور:٤٥) ''تو اُن میں سے کوئی ہے جو چلتا ہے اپنے پیٹ کے بل۔'' ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ (الفتح:٢٤) ''اور وہی ہے جس نے روکا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے مکّہ کے نشیب میں۔'' آیت زیر مطالعہ میں لفظ ''بُطُوْنٌ'' (جمع) آیا ہے۔

ترکیب : ''يَكْتُمُوْنَ'' کا مفعول ''مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ'' ہے۔ ''بِهٖ'' میں ''هٖ'' کی ضمیر ''مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کے لیے ہے۔ ''مَا يَاْكُلُوْنَ'' سے ''النَّارَ'' تک جملہ منفی ہے اس لیے ''اِلَّا'' غیر مؤثر ہے اور ''يَاْكُلُوْنَ'' کا مفعول ہونے کی وجہ سے ''النَّارَ'' منصوب ہے۔

ترجمہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ : بیشک وہ لوگ جو	يَكْتُمُوْنَ : چھپاتے ہیں
مَا : اس کو جو	اَنْزَلَ : اتارا
اللّٰهُ : اللہ نے	مِنَ الْكِتٰبِ : کتاب میں سے
وَيَشْتَرُوْنَ : اور وہ لوگ خریدتے ہیں	بِهٖ : اس کے بدلے
ثَمَنًا قَلِيْلًا : تھوڑی قیمت	اُولٰٓئِكَ : وہ لوگ
مَا يَاْكُلُوْنَ : نہیں کھاتے	فِيْ بُطُوْنِهِمْ : اپنے پیٹوں میں
اِلَّا : مگر	النَّارَ : آگ
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ : اور کلام نہیں کرے گا ان سے	اللّٰهُ : اللہ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ : قیامت کے دن	وَلَا يُزَكِّيْهِمْ : اور نہ اُن کا تزکیہ کرے گا
وَلَهُمْ : اور ان کے لیے ہے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ : ایک دردناک عذاب

نوٹ (١) : ''يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کی ''تفسیر نعیمی'' میں ان الفاظ سے وضاحت کی گئی ہے: ''چھپانا یہ بھی ہے کہ کتاب کے مضمون پر کسی کو مطلع نہ ہونے دیا جائے''۔ آج کل ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ درسِ قرآن میں جانے سے اور ترجمہ وتفسیر سے قرآن کا

مطالعہ کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ علم کتابوں میں نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ وہ کس جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

آیت ۱۷۵

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾

ترکیب : ''فَمَا'' میں ''مَا'' اسم تعجب ہے اور مبتدأ ہے۔ ''اَصْبَرَ'' فعل' اس کا فاعل اس میں شامل ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''مَا'' کے لیے ہے اور ''هُمْ'' اس کی ضمیر مفعولی ہے۔ ''اَصْبَرَهُمْ'' جملہ فعلیہ مبتدأ ''مَا'' کی خبر ہے اور ''عَلَى النَّارِ'' متعلق خبر ہے۔

ترجمہ:

اُولٰٓئِكَ : وہی لوگ ہیں	الَّذِيْنَ : جنہوں نے
اشْتَرَوُا : خریدا	الضَّلٰلَةَ : گمراہی کو
بِالْهُدٰى : ہدایت کے بدلے	وَالْعَذَابَ : اور عذاب کو
بِالْمَغْفِرَةِ : مغفرت کے بدلے	فَمَآ : تو کس چیز نے
اَصْبَرَهُمْ : صبر دیا ان کو	عَلَى النَّارِ : آگ پر

نوٹ (۱) : اوپر ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ ''مَا'' اسم تعجب ہے۔ اس سلسلہ میں یہ سمجھ لیں کہ مَا اَفْعَلَهٗ اور اَفْعِلْ بِهٖ دو وزن ہیں جو اظہارِ تعجب کے لیے آتے ہیں اور ان کو ''تعجب کے دو صیغے'' (صِيْغَتَا التَّعَجُّب) کہتے ہیں۔ جیسے ''مَا اَحْسَنَهٗ'' (کس چیز نے حسین بنایا اس کو) یا ''مَا اَحْسَنَ رَشِيْدًا'' (کس چیز نے حسین بنایا رشید کو)۔ اس کی ترکیب اوپر بتا دی گئی ہے اور لفظی ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے' لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ رشید کتنا حسین ہے! اس طرح ''مَا اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ'' کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے ثابت قدم ہیں آگ پر!

اسی طرح ''اَحْسِنْ بِهٖ'' یا ''اَحْسِنْ بِرَشِيْدٍ'' میں ''اَحْسِنْ'' فعل امر ہے۔ ''بِ'' زائدہ ہے اور ''هٗ'' ضمیر مفعولی ہے۔ ''بِرَشِيْدٍ'' میں بھی ''بِ'' زائدہ ہے اور ''رَشِيْدٍ'' مفعول ہے۔ اس طرح اس کا لفظی ترجمہ ہوگا ''تو خوبصورتی دے اس کو'' یعنی تو خوبصورت سمجھ اس کو۔ اور ''تو خوبصورتی دے رشید کو'' یا ''تو خوبصورت سمجھ رشید کو''۔ لیکن مفہوم یہی ہے کہ رشید کتنا خوبصورت ہے!

آیت ۱۷۶

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝﴾

ب ع د

بَعُدَ (ک) بُعْدًا : دُور ہونا۔ ﴿وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ﴾ (التوبۃ:۴۲) ''اور لیکن دُور ہوئی اِن پر مسافت۔''

بَعِدَ (س) بَعَدًا : تباہ و برباد ہونا' ہلاک ہونا۔ ﴿اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝﴾ (ھود) ''خبردار! ہلاکت ہے اہل مدین کے لیے جیسے ہلاک ہوئے ثمود۔''

بَعِيْدٌ: (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے): دُور۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝﴾ (الحج) ''یہی دُور کی گمراہی ہے۔''

بُعْدٌ (اسم ذات): دُوری یا فاصلہ' ہلاکت۔ ﴿يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ﴾ (الزخرف:۳۸) ''کاش میرے اور تیرے مابین دو مشرقوں کا فاصلہ ہوتا۔'' ﴿اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝﴾ (ھود) ''خبردار! ہلاکت ہے اہل مدین کے لیے جیسے ہلاک ہوئے ثمود۔''

بَعْدُ (ظرف زمان) : کسی کے پیچھے یا بعد۔ یہ زیادہ تر مضاف بن کر آتا ہے۔ اگر اس کا مضاف الیہ مذکور ہو تو ظرف ہونے کی وجہ سے ''بَعْدَ'' آتا ہے اور اگر محذوف ہو تو پھر یہ مبنی بر ضمہ (بَعْدُ) ہوتا ہے۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾ (آل عمران:۸) ''اے ہمارے ربّ! تو ٹیڑھا مت کر ہمارے دلوں کو اِس کے بعد کہ تو نے ہدایت دی ہم کو۔'' ﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ (البقرۃ:۵۲) ''پھر ہم نے معاف کیا تم لوگوں کو اس کے بعد۔'' ﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ﴾ (الروم:۴) ''اللہ کے لیے ہی ہیں سب کام اس سے پہلے اور اس کے بعد۔''

اَبْعَدَ (افعال) اِبْعَادًا : دور کرنا' دور رکھنا۔

مُبْعَدٌ (اسم المفعول) : دُور کیا ہوا' دُور رکھا ہوا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء) ''بیشک جن لوگوں کے لیے آگے آئی ہماری طرف سے نیکی وہ لوگ اس سے دور رکھے جائیں گے۔''

بَاعَدَ (مفاعلہ) مُبَاعَدَةً: کسی کو کسی سے دور کرنا۔
بَاعِدْ (فعل امر): تو دُور کردے۔ ﴿رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ (سبا:۱۹) ''اے ہمارے ربّ! تو دور کردے (یعنی دراز کردے) ہمارے سفروں کے درمیان کو۔''

ترکیب: ''ذٰلِكَ'' کا اشارہ گزشتہ آیت میں مذکور عذاب کی طرف ہے۔ ''بِاَنَّ'' کا ''بِ'' سببیہ ہے۔ ''اَنَّ'' کا اسم لفظ ''اَللّٰهَ'' ہے' اس لیے منصوب ہے۔ ''نَزَّلَ الْكِتٰبَ'' جملہ فعلیہ ''اَنَّ'' کی خبر ہے' اس لیے ترجمہ میں لفظ ''ہے'' کا اضافہ ہوگا۔ ''بِالْحَقِّ'' متعلق خبر ہے۔ ''اَلَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ'' یہ پورا جملہ ''اِنَّ'' کا اسم ہے' اس کی خبر محذوف ہے جو ''قَائِمٌ'' ہوسکتی ہے۔ ''لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ'' قائم مقام خبر ہے۔

ترجمہ:

ذٰلِكَ: وہ	بِاَنَّ: اس سبب سے کہ
اللّٰهَ: اللہ نے	نَزَّلَ: اُتارا ہے
الْكِتٰبَ: کتاب کو	بِالْحَقِّ: حق کے ساتھ
وَاِنَّ: اور یقیناً	اَلَّذِيْنَ: جن لوگوں نے
اخْتَلَفُوْا: اختلاف کیا	فِي الْكِتٰبِ: کتاب میں

لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ: وہ لوگ دور کی مخالفت میں ہیں

نوٹ (۱): اہل کتاب نے اللہ کے دین کو اتنا مسخ کر دیا تھا کہ یہ معلوم کرنا ممکن نہ رہا کہ حلال کیا ہے' حرام کیا ہے اور حق کیا ہے' باطل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے حق و باطل کو پوری طرح واضح کر دیا۔ دور کی مخالفت سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی مخالفت میں اتنی دُور نکل جائے کہ اسے اپنے نفع و نقصان کا بھی ہوش نہ رہے اور وہ مغفرت کو چھوڑ کر عذاب خریدنے لگے۔

آیت ۱۷۷

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ
وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾﴾

ی ت م

یَتِمَ (س) یَتْمًا: چھوٹے بچے کا والدین کی شفقت سے محروم ہونا۔

یَتِیْمٌ ج یتامٰی (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفتِ مشبہ کا صیغہ): انسانوں میں ایسا بچہ جس کا باپ مرگیا ہو۔ جانوروں میں ایسا بچہ جس کی ماں مرگئی ہو۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

س ب ل

سَبَلَ (ن) سَبْلًا : لٹکنا' بہنا' رواں دواں ہونا۔

سَبِیْلٌ (ج) سُبُلٌ :فَعِیْلٌ کا وزن ہے۔ متعدد معانی میں آتا ہے: (۱) آسان راستہ' کھلی سڑک۔ ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ﴾ (الحجر:۷۶) ''اور یقیناً وہ (یعنی بستی) ایک مستقل سڑک پر واقع ہے۔'' ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا﴾ (الزخرف:۱۰) ''جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور اس نے بنائے تمہارے لیے اس میں راستے۔'' (۲) راہ' طریقہ (کسی نظریہ یا ضابطہ کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ) ﴿وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی﴾ (النساء:۱۱۵) ''اور جس نے پیروی کی مؤمنوں کے طریقے کے علاوہ' تو ہم پھیر دیں گے اس کو اُدھر جدھر وہ پھرا۔'' ﴿وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ (الانعام:۵۵) ''اور تاکہ واضح ہو جائے مجرموں کا طریقہ۔'' ﴿وَمَا لَنَا اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا﴾ (ابراهیم:۱۲) ''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم توکل نہ کریں اللہ اس پر اس حال میں کہ اس نے ہمیں راہنمائی دی ہے ہمارے طریقوں کی۔'' (۳) راہ' ذریعہ (کسی تک پہنچنے یا خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ)۔ ﴿وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (البقرة:۱۹۵) ''اور تم لوگ خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔'' ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت:۶۹) ''اور جن لوگوں نے جدوجہد کی ہمارے لیے ان کی ہم لازماً راہنمائی کریں گے اپنی راہوں کی۔'' (۴) الزام (کسی پر گرفت حاصل کرنے کا ذریعہ) ﴿مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ﴾ (التوبة:۹۱) ''بلا کم و کاست کام کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔''

ر ق ب

رَقَبَ (ن) رَقُوْبًا : نگہبانی کرنا' انتظار کرنا' کسی بات کا لحاظ کرنا۔ ﴿لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ

مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ (التوبۃ: ۱۰) ''وہ لوگ لحاظ نہیں کرتے کسی مؤمن سے قرابت داری کا اور نہ ذمہ داری کا۔''

رَقِیْبٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ): نگہبانی کرنے والا' نگہبان۔ ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ (ق:۱۸) ''منہ سے نہیں نکلتی کوئی بات مگر یہ کہ اس کے پاس ہے ایک چوکس نگہبان۔''

رَقَبَةٌ (ج) رِقَابٌ (اسم ذات): گردن (کیونکہ گردن کو مختلف سمت میں گردش دے کر انسان نگہبانی کرتا ہے)۔ ﴿فَکَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ﴾ (المائدۃ:۸۹) ''تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اس کے اوسط سے جو تم لوگ کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا ان کو (دس مسکینوں کو) کپڑا پہنانا ہے یا کسی گردن کا آزاد کرنا ہے۔'' تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ کسی غلام کو آزاد کرانے کے لیے عربی محاورہ ہے۔ ﴿فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ (محمد:٤) ''پس جب تم لوگ مقابل ہو ان کے جنہوں نے کفر کیا تو گردنوں کا مارنا ہے۔''

تَرَقَّبَ (تفعّل) تَرَقُّبًا: کسی چیز سے بچنے کے لیے خود اپنی نگہبانی کرنا' چوکنا ہونا۔ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا یَّتَرَقَّبُ﴾ (القصص:۲۱) ''تو وہ نکلا وہاں سے ڈرتے ہوئے' اپنی نگہبانی کرتے۔''

اِرْتَقَبَ (افتعال) اِرْتِقَابًا: اہتمام سے انتظار کرنا۔

اِرْتَقِبْ (فعل امر): تو انتظار کر۔ ﴿فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ﴾ (الدُّخان:۱۰) ''پس تو انتظار کر اُس دن کا جب آسمان لائے گا ایک واضح دھواں۔''

مُرْتَقِبٌ (اسم الفاعل): انتظار کرنے والا۔ ﴿فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ﴾ (الدُّخان:۵۹) ''پس تو انتظار کر' بے شک وہ لوگ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔''

ترکیب: استادِ محترم پروفیسر حافظ احمد یار مرحوم کی یہ رائے ہے' اور میرا ذہن اسی کو ترجیح دیتا ہے' کہ ''اَنْ تُوَلُّوْا'' سے ''وَالْمَغْرِبِ'' تک پورا جملہ ''لَیْسَ'' کا اسم ہے' جبکہ ''الْبِرَّ'' اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسے تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور اس پر لامِ جنس ہے۔ ''اَنْ'' کی وجہ سے ''تُوَلُّوْا'' مضارع منصوب ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے۔ ''وُجُوْهَکُمْ'' مفعول ہے اور ''قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ'' مفعول فیہ ہے۔

''لٰکِنَّ'' کا اسم ہونے کی وجہ سے ''اَلْبِرَّ'' منصوب ہے اور ''مَنْ'' اس کی خبر ہے۔ یہ ''مَنْ'' موصولہ ہے اور ''اٰمَنَ بِاللّٰہِ'' سے ''اِذَا عٰھَدُوْا'' تک کے جملے اس کا صلہ ہیں۔ ''اَلْیَوْمَ'' سے ''النَّبِیّٖنَ'' تک تمام الفاظ سے پہلے حرف جر ''بِ'' محذوف ہے اس لیے یہ سب مجرور ہیں۔

''اٰتَی'' سے پہلے ''مَنْ'' محذوف ہے۔ ''الْمَالَ'' اس کا مفعول اوّل ہے۔ ''عَلٰی حُبِّہٖ'' متعلق فعل ہے اور اس میں ''ہٗ'' کی ضمیر ''اَلْمَالَ'' کے لیے ہے۔ ''ذَوِی الْقُرْبٰی'' سے ''فِی الرِّقَابِ'' تک ''اٰتَی'' کے مفعول ثانی ہیں۔ اسی طرح ''اَقَامَ الصَّلٰوۃَ''۔ ''اٰتَی الزَّکٰوۃَ'' اور ''اَلْمُوْفُوْنَ'' سے پہلے بھی ''مَنْ'' محذوف ہے۔

اردو میں ہم کہتے ہیں ''حامد کو شاباش ہے''۔ یہ دراصل ایک جملے کا تخفیف شدہ محاورہ ہے۔ پورا جملہ تھا ''میں حامد کو شاباش دیتا ہوں''۔ اس جملے میں حامد مفعول ہے۔ عربی میں کسی کی تعریف کرنے کے اس انداز کا محاورہ یہ ہے کہ صرف مفعول کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی ''حامد کو شاباش ہے'' کا عربی محاورہ میں ترجمہ ہوگا ''وَحَامِدًا''۔ اس انداز کو اِضمارِ اَعْنِی کہتے ہیں۔ اب نوٹ کر لیں کہ اس آیت میں ''وَالصّٰبِرِیْنَ'' اِضمارِ اَعْنِی کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ:

لَیْسَ الْبِرَّ : کل نیکی یہی نہیں ہے	اَنْ تُوَلُّوْا : کہ تم لوگ پھیر لو
وُجُوْھَکُمْ : اپنے چہروں کو	قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ : مشرق اور مغرب کی طرف
وَلٰکِنَّ : اور لیکن (بلکہ)	الْبِرَّ : نیکی
مَنْ : اس کی ہے جو	اٰمَنَ : ایمان لایا
بِاللّٰہِ : اللہ پر	وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ : اور آخری دن پر
وَالْمَلٰٓئِکَۃِ : اور فرشتوں پر	وَالْکِتٰبِ : اور کتاب پر
وَالنَّبِیّٖنَ : اور نبیوں پر	وَاٰتَی : اور (جس نے) دیا
الْمَالَ : مال	عَلٰی حُبِّہٖ : اس کی محبت کے باوجود
ذَوِی الْقُرْبٰی : قرابت داروں کو	وَالْیَتٰمٰی : اور یتیموں کو

وَالْمَسٰكِيْنَ :اور مسکینوں کو
وَابْنَ السَّبِيْلِ: اور راستے کے بیٹے (مسافر) کو
وَالسَّآئِلِيْنَ :اور مانگنے والوں کو
وَفِي الرِّقَابِ: اور گردنوں (غلاموں) کے آزاد کرانے میں
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ :اور (جس نے) قائم کیا نماز کو
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ : اور (جس نے) پہنچایا زکوٰۃ کو
وَالْمُوْفُوْنَ :اور (جو) پورا کرنے والے ہیں
بِعَهْدِهِمْ :اپنے عہد کو
اِذَا :جب بھی
عٰهَدُوْا: وہ لوگ باہمی معاہدہ کریں
وَالصّٰبِرِيْنَ :اور ثابت قدم رہنے والے
فِي الْبَاْسَآءِ :(فقر وفاقہ کی) سختیوں میں
وَالضَّرَّآءِ :اور تکالیف میں
وَحِيْنَ الْبَاْسِ :اور گھمسان کی جنگ کے وقت
اُولٰٓئِكَ :یہ
الَّذِيْنَ :وہ لوگ ہیں جنہوں نے
صَدَقُوْا :سچ کر دکھایا (نیکی کو)
وَاُولٰٓئِكَ :اور یہ لوگ
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ :ہی متقی ہیں

نوٹ (۱) : عربی میں کسی قریبی چیز کی بلندی اور عظمت کے اظہار کے لیے اشارہ قریب کے بجائے اشارۂ بعید استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لحاظ سے اس آیت میں ''اُولٰئِكَ'' کا ترجمہ ''وہ'' کے بجائے ''یہ'' کیا گیا ہے۔

نوٹ (۲) : کتاب ''آسان عربی گرامر'' حصہ اوّل کے پیراگراف ۱۹:۷ میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ لفظ ''ذُوْ'' (والا) جب مضاف بن کر آتا ہے تو رفع، نصب اور جر میں یہ ''ذُوْ۔ ذَا۔ ذِی'' استعمال ہوتا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ اس کی جمع رفع میں ''ذَوُوْ'' اور نصب و جر دونوں میں ''ذَوِیْ'' آتی ہے۔ اس آیت میں مفعول ہونے کی وجہ سے ''ذَوِیْ'' منصوب ہے۔

نوٹ (۳) : یہ آیت تحویل قبلہ کے حکم کا تتمہ ہے۔ اس حکم سے ذہنوں میں جو الجھن پیدا ہوئی تھی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان نیکی کے کسی جزو کو ہی کُل نیکی سمجھ بیٹھتا ہے۔ اس

(باقی صفحہ 46 پر)

سلسلۂ نباتاتِ قرآن (قسط12)

قِثّاء

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

اردو، ہندی : ککڑی، کھیرا
عربی، فارسی: خیار
سنسکرت: کرکٹی
بنگلہ: کنکور
گجراتی: کاکڑی
انگریزی: کوکمبر (Cucumber)
خاندانِ نباتات: Cucurbitaceae

قرآن حکیم میں صرف ایک مرتبہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں قِثّاء کا ذکر آیا ہے:

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا﴾

''اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا اپنے ربّ سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار ساگ ترکاری، ککڑی (کھیرا)، گیہوں، لہسن، پیاز اور دال (وغیرہ) پیدا کرے''۔

''حکمت قرآن'' کے گزشتہ شمارے میں لفظ ''فُوم'' (لہسن) کی وضاحت کے لیے، جو اسی آیت میں ''قِثّاء'' سے متصل وارد ہوا ہے، مولانا امین احسن اصلاحی کی تشریح پیش کی گئی تھی۔ انہوں نے اپنی مشہور تفسیر ''تدبر قرآن'' میں لکھا ہے (اور اس کا حوالہ پچھلے شمارے میں دیا جا چکا ہے):

''بقل'' کا لفظ سبزیوں اور ترکاریوں کی تمام اقسام کے لیے عام ہے۔ ''قِثّاء'' کے معنی ککڑی اور کھیرے کے ہیں''۔

پچھلی آیت میں اپنی قوم کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے جس میں پانی کے لیے التجا کی گئی تھی، تو اسے قبول کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:

﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾

''تو ہم نے کہا فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو۔ چنانچہ اُس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر قبیلے نے جان لیا کہ کون سی جگہ اُس کے پانی لینے کی ہے۔ (اُس وقت یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو''۔

بنی اسرائیل کے لیے جب بارہ چشموں سے پانی مہیا ہو گیا تو اب انہوں نے نیا مطالبہ پیش کر دیا کہ:

''اے موسیٰؑ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے ربّ سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار ساگ' ترکاری' ککڑی (کھیرا)' گیہوں' لہسن' پیاز اور دال (وغیرہ) پیدا کرے''۔

بنی اسرائیل کے اس مطالبے کا ذکر تورات کی کتاب ''گنتی'' کے باب ۱۱ میں اس طرح ہے:

''اور جو ملی جلی بھیڑ اُن لوگوں میں تھی' وہ طرح طرح کی حرص کرنے لگی اور بنی اسرائیل بھی رونے اور کہنے لگے کہ ہم کو کون گوشت کھانے کو دے گا۔ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مصر میں مفت کھاتے تھے اور ہائے وہ کھیرے اور خربوزے اور گندنے اور پیاز اور لہسن' لیکن اب تو ہماری جان خشک ہو گئی۔ یہاں کوئی چیز میسر نہیں اور مَن کے سوا ہم کو اور کچھ دکھائی نہیں دیتا''۔

مَن اور سلویٰ کے علاوہ کچھ اور کھانے کی ہوس کی پاداش میں بنی اسرائیل پر ذلت و خواری کا عذاب مسلط ہوا۔ اسی آیت قرآنی میں ہے:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾

''اور (آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ) ذلت وخواری اور پستی و بدحالی اُن پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے''۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے بنی اسرائیل کے اس رویّے میں اُن مسلمان قوموں کے لیے ایک درسِ عبرت کی خبر دی ہے جنہوں نے تمدن کے لوازم وتنوعات کے پیچھے اپنی آزادی کی نعمت خطرے میں ڈال دی اور اس بات پر دھیان نہیں کیا کہ اس طرح جو لذائذِ دنیا انہوں نے حاصل کیے ہیں' ان کے ساتھ ذلّت کے کتنے گھناؤنے مفاسد چپکے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کے اس مقام سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسان کا ضمیر زندہ ہو تو وہ کھانے کی لذت دسترخوان کے تنوعات کے اندر نہیں ڈھونڈتا' بلکہ ضمیر اور ارادے کی آزادی کے اندر ڈھونڈتا ہے۔ یہ چیز اگر اُس کو حاصل ہو تو خشک روٹی بھی اُس کے لیے جملہ الوانِ نعمت فراہم کر دیتی ہے۔

کھیرا' ککڑی' پیٹھا' سبز خربوزہ' تربوز' میٹھا گھیا (لوکی)' یہ سب ایک ہی نباتاتی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ سب اپنی اپنی بیلوں کے پھل ہیں۔ ککڑی اور کھیرا سلاد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ کھیرا کچا اور اچار ڈال کر بھی کھایا جاتا ہے۔ یہ دونوں پھل جسمانی گرمی کو معتدل کرنے کے لیے مفید اور پیشاب آور ہیں۔ ہزار ہا سال سے سرزمین عرب اور مصر میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ پاکستان' بھارت' افغانستان' مصر اور عرب میں عام ہیں۔

❁❁❁

سکول و کالج کے طلبہ و طالبات کے لئے دین اسلام کو سمجھنے کا نادر موقع

دنیائے اسلام کے دو عظیم سکالر شیخ علی طنطاوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی کتب سے ماخوذ ادارہ فہم دین کے مرتب کردہ خط و کتابت کورسز کا مطالعہ کیجیے۔ اس سلسلے کا پہلا کورس

اسلام کیا ہے

❁ عقل و درایت اور شعور و حکمت کے حوالے سے دین فطرت کی حقانیت
❁ نفسیات انسانی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نئے انداز میں توحید باری تعالیٰ کا اثبات
❁ انسان کا نفس طبعاً آزادی پسند ہے اور دین اس کی آزادی محدود کر دیتا ہے' کیسے؟
❁ گناہ کسی قسم کا بھی ہو انسان کو پر لطف معلوم ہوتا ہے۔ کیوں؟

☆ مختصر سوالات ☆ آسان اسلوب ☆ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

مزید تفصیلات و حصول پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

حافظ محبوب احمد خان

جامع مسجد رحمۃ للعالمین نذیر پارک' سٹریٹ نمبر 1' نزد جنرل ہسپتال' غازی (ڈیفنس) روڈ' ڈاک خانہ اسماعیل نگر' لاہور۔ 54760

فون آفس: 042-5869501-03 موبائل: 0301-4870097

حوضِ کوثر

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((اِنِّيْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ)) (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں حوضِ کوثر پر تمہارا میر ساماں ہوں (اور تم سے آگے جا کر تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا وہ آبِ کوثر سے پیے گا' اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی بھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہوگا۔ وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے' لازماً میری طرف آئیں گے' لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں' پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپؐ کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے آپؐ کے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں' (اور دین میں کیا کیا رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا اور اس کو گڑبڑ کیا''۔

اس حدیث میں حوض کا لفظ آیا ہے' جس سے مراد حوضِ کوثر ہے۔ الکوثر قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس کی پہلی آیت ہے: ﴿اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ یعنی ''ہم نے آپؐ کو کوثر عطا کی''۔ کوثر کا مطلب علماء و مفسرین ''خیر کثیر'' بتاتے ہیں کہ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے' جنہیں بہت سی بھلائیوں سے نوازا گیا ہے۔ ان بھلائیوں میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور انہی بھلائیوں میں ایک بھلائی حوضِ کوثر کا عطیہ ہے جس سے قیامت کے دن آپؐ کو

نوازا جائے گا۔

کوثر جنت کی نہر ہے جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس نہر کی کئی شاخیں ہوں گی۔ میدان حشر میں ایک بڑا حوض ہوگا جس کا پانی نہر کوثر سے آئے گا' یہی حوض حوضِ کوثر ہے۔ رسول اللہ ﷺ روزِ محشر اس حوض پر موجود ہوں گے اور اپنے اُمتیوں کو حوضِ کوثر کا پانی پلائیں گے۔ اس پانی کی تاثیر ایسی ہوگی کہ جو ایک دفعہ پی لے گا اسے محشر کی طویل مدت میں پیاس نہیں لگے گی۔ حوضِ کوثر کی وسعت ایک ماہ کی مسافت ہے' یعنی ایک مسافر ایک ماہ میں جتنا فاصلہ طے کرتا ہے اتنی اس کی لمبائی ہوگی۔ یہ حوض مربع شکل کا ہے' اس کا طول وعرض برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔ اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہوگی۔ اس کے کوزے انتہائی خوبصورت اور تعداد میں آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے۔ یہ حوض رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے لیے ایک بڑی نعمت ہو گا۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا پانی پینے کو ملے گا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ آمین!

مگر اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ وہاں کچھ لوگ آئیں گے جنہیں میں بھی پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے۔ وہ میری طرف (حوضِ کوثر کا پانی پینے کے لیے) آئیں گے' لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی۔ یعنی انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں' لیکن مجھے غیب سے جواب دیا جائے گا کہ آپؐ کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے آپؐ کے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں۔ اس پر میں کہوں گا کہ برباد ہو ان پر جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا۔

گویا اُمت ہی کے کچھ افراد وہ بھی ہوں گے جو حوضِ کوثر کے پانی سے محروم رہیں گے۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ وہ لوگ کون ہوں گے؟ حدیث کے الفاظ بتاتے ہیں کہ وہ بدعات اختیار کرنے والے ہوں گے۔ انہوں نے دین میں نئی نئی باتیں شامل کی ہوں گی' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر دین مکمل کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کامل بلکہ اکمل دین اُمت کے حوالے کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔''

عام فہم سی بات ہے کہ جس چیز کو اللہ نے مکمل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے بالکم و کاست اُمت کے حوالے کر دیا اس میں کمی بیشی کی کہاں گنجائش ہو سکتی ہے! ہاں ہر مکمل چیز میں کمی بیشی کی گنجائش موجود ہوتی ہے' مگر یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں انسانوں نے مکمل کیا ہوتا ہے' انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ کچھ خامیوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جنہیں بنانے والے بھی تسلیم کر لیتے ہیں' کیونکہ دنیا میں تو خوب سے خوب تر کا درجہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ مگر جس چیز کو ربّ العالمین مکمل کر دے اُس میں کمی بیشی کا امکان تو خارج از بحث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو ہر طرح کے عیب اور نقص سے پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کو تنبیہہ کر گئے کہ جو دین میں تمہارے سپرد کر کے جا رہا ہوں اس پر عمل کرنا اور اس میں کوتاہی نہ کرنا اور نہ ہی اس میں نئی نئی چیزیں داخل کرنا۔ بلکہ جو تمہیں دیا جا رہا ہے یہ کافی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو تم میں سے زندہ رہے گا تو وہ جلد ہی بہت اختلاف دیکھے گا' تو تم پر لازم ہے کہ میرے طریقے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑ لو اور نئی نئی باتوں سے بچ کر رہو' کیونکہ ہر بدعت (نئی چیز) گمراہی ہے''۔ (ابوداؤد' ترمذی)

یہی تعلیم ہمیں قرآن مجید میں دی گئی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول سے خلفائے راشدین کے عمل کو بھی معیاری قرار دے دیا۔ پس جو عمل رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہ تھا اور پھر خلفائے راشدین کے تیس سالہ دور میں بھی موجود نہیں تھا وہ دین کا کام کیسے شمار ہو سکتا ہے! کیونکہ اگر بعد کے ایجاد کردہ عمل کو بھی دین میں شامل کر لیا جائے تو یقیناً یہ بدعت ہے اور ایسا کرنے والا دین میں اضافے کا مرتکب ہے۔

نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ عمل کرنے کے لیے سنت رسولؐ اور سنت خلفائے راشدین کافی ہے اور دین میں مزید کسی طرح کے اضافے کی ہرگز حاجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں خالص دین پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہر طرح کی بدعات سے دور رکھے' جو دین اسلام کا حصہ قطعاً نہیں ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت کردہ حدیث صحت کے لحاظ سے بلند ترین درجے کی حدیث ہوتی ہے' اور زیر درس حدیث صحیحین سے لی گئی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر عمل کرنا ضروری ہے' تاکہ حوضِ کوثر کے پانی سے محروم لوگوں میں شمولیت کا امکان نہ رہے۔ ○○

مذہبی، دینی اور علمی نقطۂ نظر سے
عربی زبان کی اہمیت

تحریر: محمد جعفر بھٹکلی ندوی ☆

یہ مقالہ بتاریخ ۲۵ رشعبان المعظم ۱۴۲۶ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء معہد امام حسن البناء شہید بھٹکل (انڈیا) کے تحت منعقد ہونے والے ایک پروگرام ''عربی زبان کی اہمیت مذہبی، دینی اور علمی نقطۂ نظر سے'' میں پڑھا گیا۔

ہر قوم کا اپنی زبان سے لگاؤ فطری امر ہے، اس کی حفاظت کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگانے اور غنیم کی فوج ظفر موج سے جوجنے سے بھی نہیں کتراتی۔ قومیں جسم ہیں تو زبانیں ان کا لباس، کسی قوم کو اُس کی زبان سے پرے رکھنا گویا اس کو اس کی تہذیب، ثقافت اور تاریخ سے پرے رکھنا ہے۔

قوموں کی ترقی کا راز اپنی زبانوں کی حفاظت میں مضمر ہے

زندہ قومیں اپنی زبانوں کے سلسلہ میں بڑی محتاط واقع ہوئی ہیں، ترقی کی بلندیوں کو چھونے کے لیے اپنی زبان ہی کو سنگ میل سمجھتی رہی ہیں۔ حالیہ ترقی یافتہ قوموں کی تاریخ پر اچٹتی نگاہ ڈالنے سے یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ ترقی یافتہ قومیں اپنی قومی زبان کو اپنی پوری زندگی پر جاری وساری کرنے کی جان توڑ کوشش کرتی ہیں۔ الاخوان المسلمون کے چوٹی کے عالم اور اسلامی مفکر محفوظ نحناج محتاج کے بقول: ''مغربی قومیں اپنے نونہالوں کو ۱۲ سال کی عمر تک ماسوا اپنی قومی اور مذہبی زبان کے کسی زبان کے قریب پھٹکنے نہیں دیتیں''۔ ترقی کے بامِ گردوں کو چھونے والی چینی و جاپانی قوموں کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے، انہوں نے تمام

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل، انڈیا

علوم وفنون کو اپنی قومی زبان کے سانچے میں ڈھالا اور اپنے نونہالوں کو تعلیم اپنی قومی زبان ہی میں دی' علی الرغم اس کے کہ ان کی زبانیں انتہائی مشکل زبانیں ہیں جن کے حروف تہجی دس ہزار سے متجاوز ہیں۔

پھر اسرائیل اور ہندوستان ہی کو دیکھ لیجیے جو اپنی گڑی ہوئی مردہ زبانوں کو اکھاڑنے اور اس میں جان ڈالنے میں جتے ہوئے ہیں' یعنی عبرانی اور سنسکرت زبان کو' درآنحالیکہ اسرائیل کی حیثیت چوں چوں کے مربّہ کی ہے جسے مختلف ممالک کے بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے یہودیوں سے آباد کیا گیا ہے۔ آج اغیار جہاں اپنی گڑی ہوئی مردہ زبانوں کو اکھاڑنے اور اس میں جان ڈالنے میں جتے ہوئے ہیں' وہیں مسلمان اپنی مذہبی زبان سے تغافل شعاری اور سہل انگاری کے باعث زندہ زبان کو زندہ گڑوا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

عربی زبان کی کہنگی اور قدامت

بعض علماء کے نزدیک عربی زبان کا وجود حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے ہے اور اس زبان کے سب سے پہلے بولنے والے وہی ہیں۔ (۱)

محققین علماء کے بقول عربی زبان دنیا کی سب سے قدیم زبان ہے۔ عبرانی زبان بھی اصل میں عربی زبان ہی تھی' عبرانی زبان میں پائے جانے والے اکثر الفاظ عربی ہی کے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض آثار اور ضعیف احادیث سے اس کا حضرت آدم علیہ السلام اور جنتیوں کی زبان ہونا بھی ثابت ہے۔ علی طنطاوی اپنی کتاب مستطاب ''دفاع عن العربیة'' میں اس زبان کی قدامت اور کہنگی کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں: ''عربی زبان تاریخ کے تمام ادوار میں بجو بہ رہی ہے''۔

اگر تاریخ ہر زبان کی آفرینش اور اس کی افزائش کے مراحل اور پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے مدارج کا تذکرہ کرتی ہے تو بجا' لیکن عربی زبان تاریخ سے زیادہ قدیم ہے۔ عربی زبان مادرِ گیتی پر اُس وقت سے استادہ ہے جب تاریخ کا نام ونشان تک نہیں تھا' تاریخ نے تو اُس وقت اپنی آنکھیں کھولیں جب عبرانی زبان اپنے پاؤں پر کھڑی تھی۔

قرآن کے باعث عربی زبان کو بقائے دوام

اس بوڑھے آسمان نے کتنی ہی تہذیبوں' قوموں اور زبانوں کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط

۱) المفصل فی تاریخ العربی قبل الاسلام' ج ۱' ص ۱۴۔

کی طرح مٹتے اور تاریخ کے کباڑ خانوں کی نذر ہوتے دیکھا' مگر عربی زبان اپنی آن' بان' تان اور شان سے اب تک قرآن کی بدولت قائم ہے اور تا قیامت باقی رہے گی۔ جس نے بھی اس سے ٹکر لی اسے مُنہ کی کھانی پڑی' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر)

''یقیناً ہم نے ہی اس الذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

قرآن اور عربی زبان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عالمِ وجود میں جب تک قرآن کا وجود ہوگا عربی کا وجود ناگزیر ہے۔ کیا دنیا میں' بجز عربی کے' کوئی ایسی زبان ہے جس کے بولنے والے چودہ سو سال پہلے کہے گئے اشعار کو سمجھ سکتے ہوں اور اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہوں؟ اور وہ ایسے ہوں گویا وہ آج ہی کہے گئے ہیں؟ کیا دنیا میں آج' بجز عربی کے' کوئی ایسی زبان ہے جس کے چودہ سو سال پہلے کہے گئے الفاظ میں آج کی سائنس' طب اور فلسفہ کا استاذ بھی اپنی ضرورت کے الفاظ پاتا ہو؟ ہر سو سال میں زبان کی ہیئتِ مجموعی میں تبدیلی آ جاتی ہے' اس کا رنگ ڈھنگ اور آہنگ بدل جاتے ہیں۔ سو سال پہلے لکھی گئی انگریزی کتابوں کو آج کا انگریزی ادیب بھی نہیں پڑھ پاتا۔ قربان جائیے قرآن پر کہ صرف اس کی بدولت عربی زبان نے وسعت و پہنائی اور رفعت و بلندی کی اُن چوٹیوں کو چھو لیا کہ دنیا کی کوئی دوسری زبان اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔

عربی زبان دینی نقطۂ نظر سے

عربی زبان کی حیثیت اسلام کے شعار کی ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس سے شہنشاہِ حقیقی کے دربار میں حاضر ہو کر لو لگائی اور راز و نیاز کی جاتی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:

لا یخفی ان اللسان العربی شعار الاسلام واھله واللغات من اعظم شعائر الامم التی یتمیزون بها

''یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ عربی زبان اسلام اور اسلام والوں کا شعار ہے' زبانیں عموماً قوموں کے اُن بڑے شعائر میں سے ہیں جن سے وہ ممتاز ہوتی ہیں''۔

امام ابن تیمیہؒ آگے مزید لکھتے ہیں:

ان اللغة العربیة من الدین' ومعرفتها فرض واجب' فان فهم الکتاب

والسنة فرض ' ولا يفهم الا بفهم اللغة العربية ' وما لا يتم الواجب الا به فهو واجب(۱)

''عربی زبان دین ہی کا جزو ہے اور اس سے واقفیت حاصل کرنا فرض ہے' اس لیے کہ قرآن وسنت کو سمجھنا فرض ہے اور قرآن وسنت کو عربی زبان ہی کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے' اور جس چیز پر واجب کے پورا ہونے کا دارومدار ہو وہ چیز بھی واجب ہو جاتی ہے''۔

شریعت محمدیؐ کے رمز شناس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تعلموا العربية فانها من دينكم

''عربی زبان سیکھو' اس لیے کہ وہ تمہارے دین ہی کا ایک حصہ ہے''۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

الواجب على كل مسلم ان يتعلم من لسان العرب بقدر جهده ' ثم ازاد من العلم له كان خيرا له (۲)

''ہر مسلمان پر بساط بھر عربی سیکھنا از بس ضروری ہے' اس کے بعد اپنے علم میں جتنا اضافہ کرے گا وہ اس کے لیے بہتر ہوگا''۔

ابومنصور عبدالملک بن محمد اسماعیل الثعالبی اپنی کتاب ''فقه اللغة وسر اللغة العربية'' کے مقدمہ میں یوں رقمطراز ہیں:

من احبّ الله احبّ رسوله مُحمّداﷺ ومن احبّ الرسول العربیﷺ احبّ العرب ومن احبّ العرب احبّ العربية التى نزل بها افضل الكتب على افضل العرب والعجم ومن احبّ العربية عنى بها وثابر عليها وصرف همته اليها

''جسے اللہ سے محبت ہوگی اس کے دل میں اس کے رسول محمد ﷺ سے بھی محبت ہوگی' اور جس کو رسولِ عربی ﷺ سے محبت ہو وہ عربوں سے بھی محبت کرے گا' اور جس کو عربوں سے محبت ہوگی وہ اس عربی لغت سے بھی محبت کرے گا جس میں دنیا کی افضل ترین کتاب عرب وعجم کی افضل ترین ہستی (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی' پھر جسے عربی سے محبت ہوگی وہ یقینی طور پر اس کا اہتمام کرے گا اور اسے محنت ومشقت کر کے سیکھے گا''۔

وقد روى ان ابا عمرو بن العلاء كان يقول: لعلم العربية هو الدين

۱) كتاب اقتضاء الصراط المستقيم' لابن تيميه' ج ۱' ص ۴۷۰۔

۲) الرسالة' ص ۱۶۷

بعينه' فبلغ ذلك عبدالله بن المبارك' فقال: صدق' لانی رأيتُ النصاری قد عبدوا المسيح لجهلهم لسانهمْ" قال اللّٰه: "اَنَا وَلَّدْتُكَ مِنْ مَرْيَمَ. وَاَنْتَ نَبِیٌّ" فحسبوه يقولُ: "اَنَا وَلَدْتُّكَ وَاَنْتَ بُنَیَّ" بتخفيف اللام وتقديم الباء وتعويض الضمة بالفتحة۔ كفروا(۱)

''ابوعمرو بن العلاء کہتے تھے عربی زبان سیکھنا بذات خود دین ہے۔ یہ بات جب عبداللہ بن مبارک کو پہنچی تو کہنے لگے کہ عمرو بن العلاء نے بجا کہا' اس لیے کہ میں نے نصاریٰ کو دیکھا کہ انہوں نے عیسیٰؑ کی عبادت کی زبان کی عدم واقفیت کی وجہ سے۔ اللہ نے تو کہا تھا: ''اَنَا وَلَّدْتُّكَ مِنْ مَرْيَمَ وَاَنْتَ نَبِیٌّ'' (میں نے تجھے مریم سے پیدا کیا یا جنوایا اس حال میں کہ تو نبی تھا) انہوں نے اس کو سمجھا کہ ''اَنَا وَلَدْتُّكَ وَاَنْتَ بُنَیَّ'' (میں نے تجھے جنا اور تو میرا بیٹا ہے) ''لام'' کو مخفف پڑھنے ''ب'' کو مقدم کرنے اور فتحہ کے بدلے ضمہ کو استعمال کرنے سے وہ کافر ہو گئے۔''

محمد ابوزہرہ فرماتے ہیں:

''عربی زبان کو زندہ کرنا وحدت کو زندگی بخشتا ہے اور اسے رائج کرنا وحدت کو عام کرتا ہے''۔(۲)

عربی زبان کی اہمیت علمی نقطۂ نظر سے

علمی اور تحقیقی میدانوں میں کام کرنے والوں کے لیے عربی کی حیثیت وہی ہے جو معمار کے لیے آلات کی' درزی کے لیے سوئی کی اور مصور کے لیے موقلم کی۔ عربی پر عبور حاصل کیے بغیر علمی و تحقیقی میدانوں میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے شناوری کے لیے پیراکی سیکھے بغیر بحر ناپیدا کنار میں داخل ہونا۔ اسی وجہ سے چوٹی کے علماء نے اپنی عمر اور مال کا ایک بڑا حصہ عربی زبان کے حصول میں صرف کیا۔ ابوصالح ہروی بیان کرتے ہیں:

كان عبد الله بن المبارك يقول : انفقتُ فی الحديث اربعين الفا وفی الادب ستين الفا' وليس ما انفقته فی الحديث انفقته فی الادب(۳)

''عبداللہ بن مبارک کہتے تھے کہ حدیث کے حصول میں مَیں نے چالیس ہزار رقم

۱) معجم الادباء' لياقوت الحموی' ج۲' ص ۷۱۔

۲) حول الوحدة الاسلامية' ص ٥٤۔

۳) معجم الادباء' لياقوت الحموی' ج۱' ۲' ص ۷۔

صرف کی اور ادب کے حصول میں ساٹھ ہزار۔ کاش حدیث کے حصول میں میں نے جو رقم صرف کی اسے بھی ادب کے حصول میں صرف کرتا۔''

امام شافعیؒ کہتے ہیں:

طلبت اللغة والادب عشرين سنة لا اريد بذلك الا الاستعانة على الفقه

''لغت اور ادب کے حصول میں میں نے اپنی عمر عزیز کے بیس سال صرف کیے اور اس کے ذریعہ میرا مقصد فقہ میں معاونت حاصل کرنا تھا۔''

حبر الأمۃ مفسر القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اذا قرأتم شيئا من كتاب الله ولم تعرفوه فاطلبوه فى اشعار العرب

''جب تم کتاب اللہ کی کوئی چیز پڑھو اور اسے سمجھ نہ پاؤ تو عرب کے اشعار میں اسے تلاش کرو۔''

علامہ جلال الدین سیوطی نے تو اپنی کتاب ''المزھر' ج ۲' ص ۳۰۲'' میں عربی لغت تک کے علم کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے اور استشہاد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو نقل کیا:

''لا يقرئ القرآن الا عالم باللغة''

''قرآن کی تعلیم وہی شخص دے جو کہ لغت کو جانتا ہو''۔

علامہ سیوطی مزید برآں کہتے ہیں:

لا سبيل الى علم القرآن وادراك معانيه الا بالتبحر فى هذه اللغة(۱)

''قرآن کے علم اور اس کے معانی کا ادراک لغت پر تبحر ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے''۔

امام ابن حزم اپنی کتاب ''التخليص فى وجوه التلخيص'' میں یوں رقم طراز ہیں:

كيف يكون مأمونا على العلم من لا يحسن اللغة

''علم کے سلسلہ میں اس شخص پر کیسے تکیہ کیا جا سکتا ہے جسے لغت پر قدرت اور تمکنت نہ ہو''۔

مذکورہ باتوں سے یہ بات آشکار ہوئی کہ علم کی خاردار وادی میں داخل ہونے کے لیے عربی لغت کے بال و پر سے مزین ہونا نہایت ضروری ہے۔

عربی زبان کی خصوصیات

عربی زبان کی کچھ خصوصیات ہیں جو اسے دوسری زبانوں سے ممتاز کرتی ہیں:

---

۱) جلال الدين السيوطى و اثره فى الدراسات اللغوية ' الدكتور عبدالمتعال سالم مكرم ص ۳۶۹' ۳۷۰۔

(۱) اعراب : یعنی آخری حروف کا عامل کے اعتبار سے بدلنا۔ دنیا میں صرف تین زبانیں ہیں جن کے آخری حروف میں عامل کے اعتبار سے تبدیلی واقع ہوتی ہے اور وہ ہیں عربی' حبشی اور جرمنی لغات۔

(۲) دقة التعبير : عربی زبان وہ زبان ہے جس میں ہر معنی کے لیے ایک خاص لفظ متعین ہے' مثلاً دن کی ساعتوں میں سے ہر ساعت کے لیے ایک خاص لفظ موجود ہے۔ دن کے اوقات کے لیے ذرور' بزوغ' ضحی' غزالة' هاجرة' زوال' عصر' اصيل' صيوب' حدور' غروب کے الفاظ۔ اسی طرح رات کی ہر ساعت کے لیے' چاندنی راتوں کی ہر رات کے لیے' سر کے بالوں کی ہر مقدار کے لیے' آنکھوں کے عیوب کے اظہار کے لیے' مثلاً حوص' خوص' شتر' عمش' لكش ۔ نیز دیکھنے' چلنے' مارنے' پینے' مرنے' کھانے اور رونے کے ہر طریقہ اور انداز کے لیے تعبیرات اور الفاظ کا عربی میں طومار ہے۔

(۳) مترادفات : ہر زبان میں مترادفات ہوتے ہیں' لیکن عربی زبان اس میدان میں بھی دوسری تمام زبانوں سے سبقت لے گئی ہے۔ عربی میں ایک ایک لفظ کے لیے دسیوں بیسیوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں' مثلاً موت کے لیے ۱۰۰ الفاظ' اونٹ کے لیے ۳۰۰ الفاظ' شلوار کے لیے ۱۵۰ الفاظ' بارش کے لیے ۶۴ الفاظ' کنویں کے لیے ۸۸ الفاظ' پانی کے لیے ۱۷۰ اور شہد اور شراب کے لیے دس دس الفاظ۔

علامہ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب ''المزهر'' میں عربی زبان میں الفاظ کی کثرت کی توجیہہ میں کروڑ باتوں کی ایک بات کہی ہے:

> ''علمائے لغت نے پہلے پہل جب الفاظ کی تدوین کی شروعات کیں تو تمام قبائل میں استعمال کیے جانے والے الفاظ کو یکجا کیا' مثلاً عربی زبان میں موت کے لیے ۱۰۰ الفاظ مستعمل ہیں تو یہ ۱۰۰ الفاظ مختلف قبائل میں الگ الگ استعمال ہوتے تھے۔''

جرجی زیدان نے بھی اپنی کتاب ''تاريخ آداب اللغة العربية' ج۱' ص ۴۱'' میں ایک اور وجہ بیان کی ہے' وہ یہ کہ ایک ہی حیوان کے لیے کئی کئی نام جو استعمال ہوتے ہیں' مثلاً اونٹنی کے لیے ۲۵۵' سانپ کے لیے ۱۰۰ اور گھوڑے کے لیے ۱۵۰' یہ تمام نام دراصل صفات ہیں اور بعد میں بطور اسم یہی استعمال ہونے لگے۔

(۴) اضداد : عربی زبان میں ایسے سینکڑوں الفاظ ہیں جو متضاد معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں' مثلاً قَعَدَ بیٹھنے اور کھڑے ہونے' نَضَحَ پیاسا ہونے اور سیراب ہونے'

ذَابَ گھل مل جانے اور جم جانے دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

(۵) اشتقاق: مستشرق جوہیوم ''تراث الاسلام'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''عربی زبان بے مثال خصوصیات کی حامل زبان ہے' لچک میں اور اشتقاق کے باب میں کوئی زبان اس کے پاسنگ بھی نہیں۔''

''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر مادہ ''دار'' کو ہی لیجیے' تنہا صرف اس لفظ سے کئی افعال اور اسماء نکلتے ہیں: دار' أدار' دوّر' تدوّر' تداور' داور' استدار' دور' دوران' دوار' دوّار' مدار' مدارۃ۔

اس درازنفسی سے جہاں عربی زبان کی مذہبی اور دینی حیثیت اور دیگر زبانوں کے مقابلہ میں اس کی خصوصیات اُلم نشرح ہیں وہیں علمی میدانوں میں اس کی ناگزیریت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

علامہ ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی دوررس نگاہ کے باعث بہت پہلے کہا تھا کہ ''دنیا کی ہر زبان کو آدمی سمجھ کر پڑھتا ہے' لیکن قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی کیوں کوشش نہیں کرتا؟''

مولانا نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ ''بچوں کو قرآن کی تعلیم معانی اور قواعد کے ساتھ دی جائے۔''

قصۂ کوتاہ یہ کہ آج مسلمانوں کو اپنی اس مذہبی زبان سے قریب کرنے اور اس کو سیکھنے پر ابھارنے کی اشد ضرورت ہے۔

❁❁❁

بقیہ: ترجمہ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح

آیت میں اسی غلطی کی نشاندہی کرنے کے بعد کل نیکی کی تعریف (Definition) بیان کر دی گئی ہے۔ ہمارے لیے اس کی افادیت یہ ہے کہ کسی کو کچھ لوگ جب نیک اور پارسا قرار دیں تو اسے چاہیے کہ وہ لوگوں کی اس بات پر آنکھ بند کر کے یقین نہ کر بیٹھے' بلکہ اس آیت میں دیے گئے نیکی کے معیار پر ہر پہلو سے خود کو پرکھ کر اپنے سود و زیاں کا حساب خود کر لے۔

چہرے کا پردہ

واجب، مستحب یا بدعت؟ (۲)

تحریر: حافظ محمد زبیر

ماہنامہ حکمت قرآن کے گزشتہ شمارے میں ماہنامہ ''اشراق'' بابت اگست ۲۰۰۵ء کے مضمون ''چہرے کا پردہ'' کے جواب میں سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹ کی روشنی میں پینتیس (۳۵) متقدمین و متاخرین مفسرین کی آراء پیش کی گئی تھیں جنہوں نے مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ میں ''جلباب مع الادناء'' سے ''چہرے کا پردہ'' مراد لیا ہے۔ ذیل میں سورۃ النور کی آیت ۳۱ کی روشنی میں کچھ معروضات پیش کی جا رہی ہیں۔

دلیل ثانی:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (النور)

''اور (اے نبیؐ!) کہہ دیں مؤمن عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے کہ جو خود بخود ظاہر ہو جائے اور اپنی چادروں کے پلو اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔ اور اپنی

زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (میل جول کی) عورتوں کے یا اپنے لونڈی غلام کے یا اُن زیردست مردوں کے جو کسی قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں یا اُن بچوں کے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں۔ اور وہ اپنے پاؤں (زمین پر) مار کر نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اور تم سب مل کر اللہ کے ہاں توبہ کرو اے اہل ایمان! شاید کہ تم فلاح پا جاؤ۔"

یہ آیۂ مبارکہ چہرے کے پردے کے وجوب پر درج ذیل اعتبارات سے دلالت کر رہی ہے:

۱) قرآن میں زینت کا مفہوم

قرآن میں زینت کا لفظ مادی چیزوں یعنی کپڑے اور بناؤ سنگھار کی اشیاء کے لیے استعمال ہوا ہے نہ کہ عورت کے اعضاء (چہرہ وغیرہ) کے لیے' اگرچہ چہرے کی زیب و زینت کے لیے استعمال ہونے والی اشیاء اور زیورات بھی زینت کے مفہوم میں شامل ہیں' جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہو رہا ہے:

۱) ﴿یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ ......﴾ (الاعراف:۳۱)
۲) ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ......﴾ (الاعراف:۳۲)
۳) ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا ......﴾ (الکہف:۷)
٤) ﴿وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ﴾ (القصص:٦٠)
٥) ﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝۶﴾ (الصّٰفّٰت)
٦) ﴿وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً ؕ﴾ (النحل:۸)
۷) ﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ﴾ (القصص:۷۹)
۸) ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ﴾ (الکہف:٤٦)
۹) ﴿اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ ......﴾ (الحدید:۲۰)
۱۰) ﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ ......﴾ (طٰهٰ:٥٩)
۱۱) ﴿وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ ......﴾ (طٰهٰ:۸۷)

اصولِ تفسیر کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر ایک لفظ کسی ایک معنی میں قرآن میں کثرت سے

استعمال ہوا ہو تو جہاں بھی اس لفظ کے معنی کے بارے میں اختلاف ہوگا تو اس لفظ کا وہی معنی مراد لیا جائے گا جس معنی میں وہ لفظ قرآن میں اکثر طور پر استعمال ہوا ہے۔ علامہ شنقیطی تفسیر القرآن بالقرآن کے اس قاعدے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و ان من انواع البیان التی تضمنها ان یکون الغالب فی القرآن ارادة معنی معین فی اللفظ مع تکرر ذلك اللفظ فی القرآن فکون ذلك المعنی هو المرادمن اللفظ فی الغالب یدل علی انه هو المراد فی محل النزاع لدلا لة غلبة ارادته فی القرآن بذلك اللفظ (۵۰)

''اور انواع البیان میں سے یہ بھی ہے کہ اگر قرآن میں ایک لفظ کا کثرت سے ایک معین معنی مراد لیا گیا ہو جبکہ یہ لفظ قرآن میں کئی بار آیا ہو تو قرآن میں اس لفظ سے اس معین معنی کا کثرت سے مراد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جہاں بھی اس لفظ کے معنی کے بارے میں اختلاف ہوگا وہاں یہی غالب معنی مراد ہوگا۔''

چونکہ قرآن میں اکثر طور پر زینت کا لفظ کپڑوں یا بناؤ سنگھار کی مادی چیزوں کے لیے استعمال ہوا ہے' لہٰذا ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ میں اختلاف کی صورت میں زینت سے مراد وہ ظاہری اشیاء ہیں جن کو عورت اپنی زینت کے طور پر استعمال کرتی ہے نہ کہ عورت کے اعضاء۔ پس جب ثابت ہوا کہ چہرہ زینت کے مفہوم میں شامل نہیں ہے تو اس کا استثناء ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے کیسے درست ہوگا؟

۲) مقاصد شریعہ اور چہرے کا پردہ

اس آیۂ مبارکہ (النور:۳۱) میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو شرم گاہ کی حفاظت کا حکم دیا ہے جس کا مقصد نسل ونسب انسانی کی حفاظت ہے۔ نسل انسانی کی حفاظت ضروریات کی قبیل سے ہے جس کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے'' وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ''میں حفظِ فروج کا حکم دیا جبکہ اس حکم کی تکمیل کے لیے'' وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ'' میں عورت کو اپنے چہرے کی زینت کے لیے استعمال ہونے والی اشیاء کے چھپانے کا حکم دیا جس کا لازمی تقاضا چہرے کو چھپانا بھی ہے۔ چونکہ زنا کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب چہرے کا کھلا رکھنا بھی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زنا سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسباب اور ذرائع سے بھی منع کر دیا۔ ایسے احکامات کو اصولیین کی اصطلاح میں مکملاتِ مصالح شریعت کہتے ہیں۔ اصولیین نے مقاصد شریعہ کی بحث کرتے وقت ضروریات' حاجیات اور تحسینیات کے

ساتھ ساتھ ان کے مکملات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ مکملات کی تعریف کرتے ہوئے امام شاطبی لکھتے ہیں:

شرع الله تعالى احكاما اخرى لتكميل انواع المقاصد السابقة من ضروريات و حاجيات و تحسينيات' كالتتمة و التكملة لها(۵۱)

''اللہ تعالیٰ نے سابقہ مقاصد شریعہ ضروریات' حاجیات اور تحسینیات کی تکمیل کے کچھ اور احکامات جاری کیے ہیں جو کہ ان مقاصد کے تتمے اور تکملے کا درجہ رکھتے ہیں''۔

لہٰذا حفظِ فروج کے حکمِ ضروری کی تکمیل کے لیے اس آیۂ مبارکہ کے الفاظ '' وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ '' میں عورت کے چہرے کو کھلا رکھنے سے منع فرمایا۔ عورت کا چہرہ زنا کا داعیہ ہے۔ اس کی دلیل اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے:

عن عبد الله بن عباس قال كان الفضل رديف النبى ﷺ فجاء ت امرأة من خثعم ' فجعل الفضل ينظر اليها و تنظر اليه' فجعل النبى ﷺ يصرف وجه الفضل الى الشق الآخر (۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ان کے بھائی فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھے تھے تو خثعم قبیلے کی ایک عورت آئی۔ فضل بن عباسؓ اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ اُن کی طرف دیکھنے لگی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فضل بن عباسؓ کا چہرہ پکڑ کر اس کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا''۔

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عورت کا چہرہ فتنے کا محل ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پیدا ہونے والے فتنے کا فوری سدّ باب کیا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس عورت کو چہرے کے پردے کا حکم کیوں نہ دیا' تو اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ عورت حالت احرام میں تھی اور حالت احرام میں اس کے لیے اپنے چہرے کو کھلا رکھنا مشروع تھا۔

۳) دلالت اَوْلیٰ کے طریق سے

آیت کا حصہ ''وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ'' کی دلالت اَوْلیٰ سے چہرے کا پردہ ثابت ہوتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے اس حصے میں مؤمن عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے سینوں کو خوب اچھی طرح ڈھانپیں اور اپنی قمیصوں پر ایک اضافی چادر ڈال لیا

کریں تا کہ ان کی گردن اور سینے کے ابھار وغیرہ ظاہر نہ ہوں' اور اس طرح فتنے کے ادنیٰ سے اندیشے کو بھی ختم کیا جا سکے۔ چونکہ چہرے کو کھلا رکھنے میں سینوں پر بکل نہ مارنے کی نسبت فتنے کا زیادہ اندیشہ ہے اس لیے چہرے کو ڈھانپنے کا حکم اس نص سے بطریق اَولیٰ ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ''وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ'' میں بظاہر تو والدین کو اُف کہنے سے منع کیا گیا ہے لیکن دلالت اَولیٰ کے طریق سے والدین کو برا بھلا کہنا' گالیاں دینا اور مارنا بھی اسی نص کے تحت منع ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیہ مبارکہ کے نزول کے بارے میں بیان فرماتی ہیں:

يرحم الله نساء المهاجرات الأول۔ لما انزل الله ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ شققن مروطهن فاختمرن بها (۵۳)

''اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے! جب اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنالیا۔''

اس بارے میں حافظ ابن حجر کا قول ہے:

فاختمرن اى غطين وجوههن (۵۴)

''فاختمرن'' سے مراد ہے انہوں نے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا۔''

۴) فعل لازم کا استعمال

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں مطلقاً زینت کے اظہار سے منع کیا گیا ہے اور ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (سوائے اس کے جو اِس زینت میں سے خود بخود ظاہر ہو جائے) میں فعل لازم استعمال ہوا ہے جس سے مراد ایسی زینت ہے کہ جس کا چھپانا ممکن نہ ہو' جیسے کپڑے' گاؤن یا برقعے وغیرہ کی زینت۔ البتہ اگر نص میں فعل متعدی کے ساتھ 'اِلَّا مَا اَظْهَرْنَ مِنْهَا'' (سوائے اس کے جو وہ اس زینت میں سے ظاہر کریں) کے الفاظ ہوتے تو ایسی صورت میں چہرے کو مستثنیٰ سمجھا جا سکتا تھا' کیونکہ چہرے کی زینت ظاہر کی جاتی ہے نہ کہ خود بخود ظاہر ہوتی ہے۔

۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر

۱) ابن جریر طبری نے ''جامع البیان'' میں ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وھب' قال اخبرنی الثوری' عن ابی اسحاق الھمدانی' عن ابی الاحوص عن ابن مسعود قال ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ قال :الثیاب (٥٥)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد کپڑے ہیں۔''

۲)امام حاکم نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت اس سند کے ساتھ نقل کی ہے:

اخبرنی عبد اللہ بن محمدالصید لانی ثنا اسمعیل بن قتیبہ ثنا ابو بکر بن ابی شیبہ ثنا شریك عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ قال لاخلخال ولا شنف ولا قرط ولا قلادۃ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ قال الثیاب (٥٦)

''حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے زینت کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد پازیب' بالیاں اور ہار وغیرہ مراد ہیں اور ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' سے کپڑے مراد ہیں۔''

پروفیسر صاحب نے اس حدیث کی سند پر دو اعتراضات وارد کیے ہیں۔ایک یہ کہ اس کا ایک راوی ابو اسحاق السبیعی مدلس راوی ہے اور عنعنہ سے روایت کر رہا ہے اور دوسرا اعتراض یہ کہ وہ مختلط ہے۔اس سند پر اعتراضات کے حوالے سے پروفیسر صاحب کی خدمت میں ہم چند گزارشات پیش کرتے ہیں۔

ابواسحاق اور تدلیس:

امام حاکم اور امام ذھبی کی تصحیح: اس سند کو امام حاکم نے ''مستدرک حاکم'' میں صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اپنی ''تلخیص'' میں اس سند کے صحیح ہونے میں امام حاکم کی موافقت اختیار کی ہے۔امام حاکم فرماتے ہیں:

ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم و لم یخرجاہ(٥٧) ووافقہ الذھبی فی تلخیصہ(٥٨)

''یہ حدیث امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہے' اگرچہ انہوں نے اسے اپنی کتاب میں بیان نہیں کیا۔اور امام ذہبی نے بھی اپنی کتاب ''تلخیص'' میں امام حاکم کی موافقت اختیار

کی ہے۔''

اس حدیث کی سند حد درجہ صحیح ہے۔ امام ذہبی وہ امام ہیں کہ اگر وہ کسی حدیث کی تصحیح میں امام حاکم کی موافقت اختیار کرلیں تو محقق العصر علامہ البانی جیسے علماء بھی ان کی تحقیق ہی نقل کر دیتے ہیں اور اُس حدیث کی اپنے طور پر تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ثبوت کے لیے ''حجاب المرأة المسلمة'' کا حاشیہ دیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ البانی نے ''حجاب المرأة المسلمة'' میں ابن مسعودؓ کا قول نقل کرنے کے بعد سکوت اختیار کیا جو اِس بات کی دلیل ہے کہ علامہ البانی نے بھی اس قول کی صحت میں امام ذہبی کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔

پروفیسر صاحب کی خدمت میں ہم یہی عرض کریں گے کہ وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ابواسحاق السبیعی مدلس راوی ہے اور مدلس کا عنعنہ قابل قبول نہیں' لیکن امام حاکم اور امام ذہبی جیسے جلیل القدر محدثین اس بات سے بھی خوب واقف تھے کہ فلاں مدلس راوی کا عنعنہ فلاں استاذ سے ہو تو وہ سماعت پر محمول ہوگا۔ یہ اصولِ حدیث کے فن کی وہ باریکیاں ہیں جن کا لحاظ ہمارے ممدوح پروفیسر صاحب نے نہیں رکھا۔ لہٰذا اس حدیث کی صحت کے بارے میں موصوف کی نسبت ہم امام ذہبی اور امام حاکم کی تحقیق پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ اگرچہ امام حاکم اور امام ذہبی کے اس قول کی تصحیح کے بعد کچھ لکھنے کی ضرورت تو نہیں لیکن اطمینانِ قلب کی خاطر ہم مدلس راوی کی معنعن روایات کے بارے میں اہل علم حضرات کی بعض تحقیقات پیش کیے دیتے ہیں۔

ا) **ابو اسحاق السبیعی اور امام مسلم** :امام مسلم نے ابواسحاق کے عنعنہ کو اپنی صحیح میں قبول کیا ہے جب کہ صحیح مسلم کی صحت پر اجماع ہے۔

ذیل میں ہم صحیح مسلم کی دو احادیث کی اسناد پیش کیے دیتے ہیں جن میں امام مسلم نے ابواسحاق کا عنعنہ نقل کیا ہے:

() **حد ثنا محمد بن المثنی و ابن بشار واللفظ لابن المثنی قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبد الله عن النبی ﷺ انه قال :((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اُمَّتِیْ اَحَدًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ))** (۵۹)

ب)**حد ثنا محمد بن المثنی و محمد بن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبد الله عن النبی ﷺ انه كان**

یقول: ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی)) (۶۰)

اگر مدلس راوی کا عنعنہ مطلقاً نا قابل قبول ہوتا تو صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات نہ ہوتیں۔ صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات کی موجودگی اس بات کی شاہد ہے کہ یہ مسئلہ اتنا سادہ نہیں ہے جتنا پروفیسر صاحب نے سمجھ لیا ہے۔ اہل علم کے ہاں اس کے اصول و ضوابط ہیں جن کے مطابق بعض اوقات مدلس راوی کا عنعنہ بھی قابل قبول ہوتا ہے اور سماع پر محمول کیا جاتا ہے۔

۲) امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

ان ما فیھما و فی غیرھما من الکتب الصحیحۃ من المدلسین بعن محمول علی ثبوت سماعہ من جھۃ اخری (۶۱)

''بخاری و مسلم اور ان کے علاوہ صحیح کتب میں موجود مدلسین راویوں کی جو روایات ''عن'' سے منقول ہیں ان روایات کا کسی دوسری سند سے سماع ثابت ہوتا ہے''۔

۳) علامہ محمد بن ابراہیم الصنعانی اپنی کتاب تنقیح الانظار میں فرماتے ہیں:

اذا ثبت عن الثقۃ البصیر بالفن الفارس فیہ انہ لا یقبل المدلس بعن ' وان التدلیس عندہ مذموم ' ثم رأیناہ یروی احادیث علی ھذہ الصفۃ ویحکم بصحتھا کان نصہ علی عدم قبولھا یدل علی انہ قد عرف اتصالھا من غیر تلک الطریق (۶۲)

''جب ثقہ اور فن کے ماہر سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ مدلس کا عنعنہ قبول نہیں کرتا اور تدلیس اس کے نزدیک مذموم ہے' پھر ہم دیکھیں کہ وہ مدلس راویوں کے عنعنہ کے ساتھ روایات نقل کرتا ہے اور ان کی صحت کا حکم لگاتا ہے' جبکہ وہ روایات نا قابل قبول ہوں' تو یہ طرزِ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ یہ روایات ایک دوسری سند سے متصل ہیں''۔

ابو اسحاق اور اختلاط

پروفیسر صاحب نے ابو اسحاق السبیعی پر مختلط ہونے کا عیب تو لگایا ہے لیکن زمانۂ اختلاط کا تذکرہ گول کر گئے ہیں۔ ابو اسحاق اپنے آخری زمانے میں مختلط ہو گیا تھا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

مکثر ' ثقۃ' عابد ' من الثالثۃ ' اختلط بآخرہ (۶۳)

''کثرت سے روایت کرنے والا ہے' ثقہ ہے' عابد ہے' تیسرے طبقے کا راوی ہے' اپنے آخری زمانے میں مختلط ہو گیا تھا''۔

اور امام ذہبی نے تو اس کے اختلاط کا بھی انکار کیا ہے۔ امام ذہبی ابو اسحاق السبیعی کے ترجمے میں فرماتے ہیں:

من ائمة التابعين بالكوفة و اثباتهم الا انه شاخ و نسي و لم يختلط (٦٤)

''کوفہ کے تابعی اماموں میں سے ہیں اور ثابتین میں سے ہیں' مگر بوڑھا ہونے کی وجہ سے بھول جاتے تھے اور مختلط نہ تھے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ مختلط کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اختلاط سے پہلے کی روایات قابل قبول ہیں جبکہ اختلاط کے بعد کی روایات قابل ردّ ہیں۔ اور ابو اسحاق السبیعی جب اپنی عمر کے آخری حصے میں مختلط ہو گیا تو اس کے زمانۂ اختلاط میں صرف سفیان بن عیینہ نے اس سے روایات بیان کی ہیں' اس لیے ابو اسحاق کی وہ روایات جو سفیان بن عیینہ سے منقول ہیں وہ مردود ہوں گی اور اس کے ماسوا کی روایات قابل قبول ہوں گی۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

وقال الفسوى : قال ابن عيينة حدثنا ابو اسحاق فى المسجد ليس معنا ثالث ' و قال الفسوى: فقال بعض اهل العلم كان قد اختلط وانما تركوه مع ابن عيينة لاختلاطه (٦٥)

''فسوی نے کہا کہ ابن عیینہ نے کہا کہ ابو اسحاق مسجد میں ہمیں حدیث بیان کرتے تھے اور ہمارے ساتھ کوئی تیسرا نہ ہوتا تھا۔ اور فسوی نے کہا کہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ وہ مختلط ہو گیا تھا اور اہل علم نے اس کے اختلاط کی وجہ سے اس کی ان روایات کو لینا چھوڑ دیا جو کہ وہ ابن عیینہ سے بیان کرتا تھا۔''

۶) آیت کا سیاق وسباق

آیت کے اس حصے ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ﴾ میں مؤمن عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں' تاکہ ان کے پاؤں یا چال کی زینت یا پازیب وغیرہ کی جھنکار سن کر مَردوں کی طرف متوجہ نہ ہوں' کیونکہ اس طرح عورت کی یہ مخفی زینت ظاہر ہو کر مَردوں کے لیے فتنے کا باعث بن جاتی ہے۔ جو شریعت مطہرہ فتنے کے اندیشے کو بھی ختم کرنے کے لیے عورتوں کو پاؤں زمین پر مار کر چلنے سے روک رہی ہے اس شریعت کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ اسی آیت میں عورتوں کو

چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت دے رہی ہے' ایک عام انسان کی سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ چہرے کی زینت بہرحال قدموں کی چاپ اور انداز کی زینت سے بہت بڑھ کر ہے' اس لیے ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کے ذریعے چہرے کا مستثنیٰ کرنا قرآن کے سیاق وسباق کے خلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ مِنَ الْخُيَلَاءِ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ)) قالت ام سلمة يا رسول الله فكيف تصنع النساء بذيولهن؟ قال: ((تُرْخِيْنَهٗ شِبْرًا)) قالت: اذا تنكشف اقدامهن؟ قال: ((تُرْخِيْنَهٗ ذِرَاعًا لَا تَزِدْنَ عَلَيْهِ)) (۶۶)

''جس نے تکبر کے ساتھ اپنے کپڑے کو لٹکایا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کی طرف نظر کرم نہیں فرمائیں گے۔'' تو اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عورتیں اپنے پلو (کپڑے کا نچلا کنارا) کا کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: ''تم عورتیں اسے ایک بالشت لٹکا لیا کرو۔'' حضرت اُمّ سلمہ نے عرض کی: تب تو ان کے پاؤں کھل جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تم عورتیں اپنے پلو کو ایک ہاتھ لٹکا لیا کرو اور اس سے زیادہ نہ لٹکاؤ۔''

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا پاؤں کھلے رہ جانے کے بارے میں سوال کرنا اور آپؐ کا ان کو جواب دینا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ پاؤں کا ڈھانپنا بھی واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ البانی نے بھی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے پاؤں کے ڈھانپنے کو واجب قرار دیا ہے اور عورت کے پاؤں کو اس کے ستر میں شمار کیا ہے۔ جب پاؤں ڈھانپنے کی اس قدر تاکید قرآن وسنت میں ہے تو چہرہ ڈھانپنے کے بارے میں قرآن وسنت کیسے خاموش رہ سکتے ہیں!

۷) حضرات عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال

حضرات ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے حوالے سے پروفیسر صاحب نے جو دو اقوال نقل کیے ہیں' کیا ہی اچھا ہوتا کہ موصوف ان کی سند بھی بیان کر دیتے جو کہ ایک تحقیقی مضمون کا لازمی تقاضا ہے۔

ابن عباسؓ کا قول: جہاں تک ابن عباسؓ کے قول کا تعلق ہے' اس کی دو اسناد کا ہم ذکر کر دیتے ہیں:

۱) حدثنا ابو كريب قال حدثنا مروان قال حدثنا مسلم الملائى عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال" وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" قال: الكحل

والخاتم(٦٧)

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے '' وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کے بارے میں کہا کہ اس سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے''۔

اس کی سند میں مسلم الملائی راوی ضعیف ہے۔ امام مزی مسلم الملائی کے ترجمے میں علمائے جرح وتعدیل کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال عمرو بن علی :و هو منكر الحديث جدا' و قال ابوبكربن ابی خيثمة عن يحی بن معين :يقال انه اختلط' و قال ابو زرعة :ضعيف الحديث ' و قال ابو حاتم : يتكلمون فيه و هو ضعيف الحديث ' وقال البخاری: يتكلمون فيه' وقال ابو داؤد :ليس بشیء' وقال الترمذی: ضعيف' وقال النسائی : ليس بثقة(٦٨)

''عمرو بن علی نے کہا کہ وہ بہت زیادہ منکر الحدیث ہے۔ ابن ابی خیثمہ یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ وہ مختلط ہے۔ ابوزرعہ نے کہا کہ ضعیف الحدیث ہے۔ ابوحاتم نے کہا کہ محدثین اس کے بارے میں کلام کرتے ہیں اور وہ ضعیف الحدیث ہے۔ بخاری نے کہا کہ اس کے بارے میں کلام ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ترمذی نے کہا ضعیف ہے' نسائی نے کہا ثقہ نہیں ہے''۔

٢) امام بیہقی نے اس روایت کو درج ذیل سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

اخبرنا ابو عبد الله الحافظ و سعيد بن ابی عمرو' قالا حدثنا ابوالعباس محمد بن يعقوب قال حدثنا احمد بن عبد الجبار قال حدثنا حفص بن غياث عن عبد الله بن مسلم بن هرمزعن سعيد بن جبير عن ابن عبا س قال ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ قال :ما فی الكف والوجه(٦٩)

''حضرت سعید بن جبیر' ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ''وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ..... '' کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد ہے وہ چیز جو ہتھیلی یا چہرے میں ہو۔''

اس حدیث کی سند میں احمد بن عبدالجبار اور عبداللہ بن مسلم بن ہرمز دو راوی ضعیف ہیں۔

احمد بن عبدالجبار کے ترجمے میں امام مزی لکھتے ہیں:

قال محمد بن عبد الله الحضرمی : کان یکذب' وقال الحاکم ابو عبدالله الحافظ : لیس بالقوی عندهم' وقال ابو احمد ابن عدی: رأیت اهل العراق مجمعین علی ضعفه(۷۰)

''محمد بن عبداللہ الحضرمی نے کہا کہ وہ جھوٹا تھا۔ ابوعبداللہ حافظ نے کہا کہ محدثین کے نزدیک وہ قوی نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ میں نے اہل عراق کو دیکھا کہ وہ احمد بن عبدالجبار کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں''۔

ابن عمرؓ کا قول: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں درج ذیل سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

شبابة بن سوار قال نا هشام بن الغاز قال نا نافع قال ابن عمر: الزینة الظاهرة الوجه والکفان (۷۱)

''حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ زینتِ ظاہرہ سے مراد چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں''۔

اس حدیث کی سند میں شبابہ بن سوار راوی ایسا ہے جس کی تضعیف اور توثیق میں علمائے جرح وتعدیل کے درمیان اختلاف ہے۔ یہ شخص عقیدے کے اعتبار سے مرجئی تھا اور اپنے اس بدعتی عقیدے کی طرف داعی بھی تھا جس کی وجہ سے امام اہل سنت امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر محدثین نے اس کی احادیث کو مردود قرار دیا ہے۔

امام مزی شبابہ بن سوار کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

قال ابو حاتم :صدوق یکتب حدیثه ولا یحتج به' قال احمد بن ابی یحیی سمعت احمد بن حنبل وذکر شبابة فقال ترکته لم اکتب عنه للارجاء (۷۲)

اگر ابن عمرؓ کا یہ قول صحیح ثابت ہو بھی جائے تو پھر بھی یا تو قرآن کے سیاق وسباق کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ قول ردّ کر دیا جائے گا یا اس سے کسی اضطراری حالت میں چہرے کا کھولنا مراد ہوگا۔ جیسا کہ طبیب وغیرہ کے سامنے' یا پھر لاشعوری کیفیت میں مثلاً ہوا کی حرکت سے چہرے سے کپڑے کا سرک جانا وغیرہ۔

۸) تفسیر صحابی اور قرآن کا سیاق وسباق

چونکہ صحابی کی ایسی تفسیر جو کہ اجتہاد کے قبیل سے ہو حجت نہیں ہے' اس لیے اگر ابن

عباسؓ کے مذکورہ بالا قول کی صحت ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی یہ قول نا قابل قبول ہوگا' کیونکہ ابن عباسؓ کی اس تفسیر کا تعلق اجتہاد سے ہے اور یہ قرآن کے سیاق وسباق کے خلاف ہے' جیسا کہ ہم اوپر تذکرہ کر چکے ہیں کہ "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" سے چہرہ مراد لینا "وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ" اور "وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ" اور "وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ" کے خلاف ہے۔ اور ایسی تفسیر بھی جو کہ کسی عالم کے قول پر مشتمل ہو اور قرآن کے سیاق وسباق کے خلاف ہو' صحیح نہ ہوگی۔ علامہ شنقیطی اسی آیت کی تفسیر میں ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے ان اقوال کو (اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو جائیں) رد کرتے ہوئے اصول تفسیر کے اس قاعدے کو بیان فرماتے ہیں:

و ان من انواع البيان التى تضمنهاان يقول بعض العلماء فى الآية قولا وتكو ن فى نفس الآية قرينة دالةعلى عدم صحة ذلك القول (۷۳)

"اور انواع البیان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی آیت کے بارے میں بعض علماء کا کوئی قول نقل ہوا ہو حالانکہ خود آیت میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اس قول کے عدم صحت پر دلالت کر رہا ہو۔"

۹) اگر زینت سے مراد چہرہ لیا جائے!

اگر اس تفسیر کو صحیح مان بھی لیا جائے کہ "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" میں چہرہ بھی داخل ہے تب بھی اس سے وہ معنی نہیں نکلتا جو پروفیسر صاحب نکالنا چاہتے ہیں' کیونکہ "ظَهَرَ" فعل لازم ہے۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہوا یا کسی حرکت کی وجہ سے کپڑوں کو سنبھالتے ہوئے کبھی چہرہ کھل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ مشہور مفسر ابن عطیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

و يظهر لى بحكم الفاظ الآية ان المرأة مأمورة بألا تبدى و ان تجتهد فى الاخفاء لكل ما هو زينة ويقع الاستثناء فى كل ما غلبها فظهر بحكم ضرورة حركته فيما لا بدا منها او اصلاح شان فما ظهر على هذا الوجه فهو المعفى عنه (۷۴)

"آیت کے الفاظ سے مجھے یہ لگتا ہے کہ عورت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے اور ہر قسم کی زینت کو اچھی طرح سے چھپانے کی کوشش کرے۔

اور استثناء سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عورت پر غالب آ جائے' مثلاً عورت کوئی ضروری حرکت کرے یا اپنا حلیہ ٹھیک کرنے کی وجہ سے اس کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر ہو جائے تو وہ معاف ہے''۔

۱۰) سورۃ النور کی آیت کا موقع ومحل

سورۃ النور کی پردے کی آیات گھر کے اندر کے پردے کے متعلق ہیں نہ کہ گھر کے باہر کے پردے کے' جبکہ گھر سے باہر پردے کا ذکر سورۃ الاحزاب کی آیات میں ہے۔ یہ وہ فرق ہے جس کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے بہت سارے علماء نے اس آیت کی تفسیر میں ٹھوکر کھائی۔ مولانا امین احسن اصلاحی قرآن میں ستر وحجاب کے احکامات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تیسرے وہ احکام ہیں جو عام مردوں اور عورتوں کو مخاطب کر کے گھروں کے اندر آنے جانے سے متعلق دیے گئے ہیں اور جن میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان جب اپنے کسی بھائی کے گھر داخل ہو تو اس کو کن آداب وقواعد کی پابندی کرنی چاہیے اور گھر کی عورتوں پر ایسی صورت میں کیا پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ یہ احکام سورۃ النور میں بیان ہوئے ہیں''۔ (۷۵)

یعنی اس آیہ مبارکہ میں گھر میں کثرت سے داخل ہونے والے نامحرم رشتہ دار مثلاً بہنوئی' داماد' خالو' پھوپھا وغیرہ کے بارے میں گھر کی خواتین کو کچھ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں۔ چونکہ گھر میں رہتے ہوئے ان قریبی رشتہ داروں کے سامنے زینت کے اظہار کا امکان زیادہ تھا اس لیے خواتین کو ان حضرات کے سامنے زینت کے اظہار سے روک دیا گیا اور گھر کے دوسرے محرم رشتہ داروں کی فہرست بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی کہ جن کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہے۔ تاہم ابن عباسؓ کے نزدیک اس آیت کا موقع ومحل تو گھر ہی ہے لیکن یہ آیت ان قریبی محرم رشتہ داروں (شوہر کے علاوہ) کے بارے میں ہے کہ جن کے سامنے زینت کا اظہار کسی حد تک جائز ہے۔ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں:

حدثنی علی قال ثنی عبدالله قال ثنی معاویة عن علی عن ابن عباس قوله ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ قال: الزينة الظاهرة والوجه' وكحل العين وخضاب الكف والخاتم فهذه تظهر في بيتها لمن دخل من الناس عليها(۷۶)

''حضرت ابن عباسؓ ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ زینت سے مراد ظاہری زینت ہے اور چہرہ' آنکھوں کا سرمہ' ہاتھ کی مہندی اور انگوٹھی بھی اس میں شامل ہیں اور یہ زینت وہ ہے جو عورت ان قریبی محرم رشتہ داروں (شوہر کے علاوہ) کے سامنے ظاہر کرتی ہے جو کہ اکثر گھر میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔''

مراد یہ ہے کہ یہ وہ زینت ہے جس کے ظاہر ہونے کا امکان گھر میں آنے جانے والے قریبی محرم رشتہ داروں کے سامنے زیادہ ہوتا ہے' لہٰذا استثناء سے مراد وہ قریبی محارم ہیں جو کہ شوہر کے علاوہ ہیں اور جن کے سامنے اس زینت کا اظہار عورت کے لیے جائز ہے۔

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں' لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس کے درمیان ایک راوی مجاہد بن جبیر کی گر گیا ہے۔ یہ راوی بھی ثقہ ہے۔ امام ترمذی علی بن ابی طلحہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

روی عن عبد الله بن عباس مرسل بينهما مجاهد

''اس نے ابن عباس سے مرسل روایات بیان کی ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان مجاہد بن جبیر راوی گرا ہوا ہے''۔

قال ابن طهمان عن بن معين لم يسمع عن ابن عباس شيأ فروى مرسلا(۷۷)

''ابن طہمان نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ علی نے ابن عباس سے کچھ نہیں سنا' بلکہ ابن عباس سے مرسل روایت نقل کرتا ہے''۔

(جاری ہے)

حواشی

۵۰) اضواء البیان' علامہ شنقیطی' ج۶' ص ۱۹۸۔

۵۱) الموافقات' امام شاطبی' ج۲' ص ۱۲۔

۵۲) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب حج المرأة عن الرجل۔

۵۳) صحیح البخاری' کتاب التفسیر' باب ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوْبِهِنَّ﴾

۵۴) فتح الباری' ج۸' ص ۴۹۰' المکتبة السلفیة۔

۵۵) تفسیر طبری' ابن جریر طبری' ج۹' ص ۳۰۴۔

۵۶) المستدرك على الصحيحين' ج۲' ص ۳۹۷' مکتب المطبوعات الاسلامیة' بیروت۔

۵۷) المستدرك على الصحيحين' ج۲' ص ۳۹۷' مکتب المطبوعات الاسلامیة' بیروت۔

٥٨) تلفيق الذهبی علی المستدرك' ج٢' ص ٣٩٧' بيروت۔
٥٩) صحيح مسلم' كتاب فضائل الصحابة' باب فضائل ابی بکر الصديق رضی اللہ عنہ۔
٦٠) صحيح مسلم' كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر مالم يعمل۔
٦١) المنهاج بشرح صحيح مسلم' امام نووی ج١' ص ٣٣' دارالفكر بيروت۔
٦٢) تنقيح الانظار' علامه محمد بن ابراهيم الصنعانی' ج١' ص ٣٥۔
٦٣) تقريب التهذيب' ج٢' ص ٧٣۔
٦٤) ميزان الاعتدال ابوعبدالله محمد بن احمد الذهبی' ج٤' ص ٢٧٠' دار المعرفة بيروت۔
٦٥) ميزان الاعتدال' ابوعبدالله محمد بن احمد الذهبی' ج٤' ص ٢٧٠۔
٦٦) رواه النسائی' كتاب الزينة' باب ذيول النساء۔
٦٧) تفسير طبری' علامه ابن جرير طبری' ج٩' ص ٣٠٤۔
٦٨) تهذيب الكمال' جمال الدين يوسف المزی' ج٧' ص ١٠٣' مؤسسة الرسالة' بيروت۔
٦٩) السنن الكبری' امام بيهقی' كتاب النكاح' باب ما تبدی المرأة من زينتها۔
٧٠) تهذيب الكمال' امام مزی' ج١' ص ٥٤۔
٧١) مصنف ابن ابی شيبة' كتاب النكاح' باب ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾
٧٢) تهذيب الكمال' ج٣' ص ٣٥٩' امام مزی۔
٧٣) اضواء البيان' علامه شنقيطی' ج٦' ص ١٩٨۔
٧٤) ابن عطيه الاندلسی المحرر الوجيز' ج١٠' ص ٤٨٨' ٤٨٩۔
٧٥) پردہ اور قرآن' مولانا امین احسن اصلاحی' ص ٧۔
٧٦) تفسير الطبری' ابن جرير طبری' ج٩' ص ٣٠٥۔
٧٧) تهذيب الكمال' امام مزی' ج٥' ص ٢٦٢۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے''

(رواه البخاری' عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : نبی کریم ﷺ بحیثیت معلم

مصنف : پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

ضخامت : 466 صفحات ۔ قیمت : 225 روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی معروف عالم دین اور تجربہ کار ماہر تعلیم ہیں۔ آپ مدینہ یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض ادا کرتے رہے ہیں۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر راہ نمائی عطا کرتی ہے۔ آپؐ محبوبِ خدا' اللہ کے پیغمبر اور جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ آپؐ بہترین خطیب اور عظیم ترین مبلغ تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یوں آپؐ کامل ترین استاد تھے۔ آپؐ کا اندازِ تدریس نہایت جامع اور مؤثر تھا۔ آپؐ کی زندگی ہر چھوٹے بڑے' امیر و غریب کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں مصنف نے بڑی مہارت اور سلیقے کے ساتھ درجنوں کتابوں سے موضوع سے متعلقہ مواد یکجا کر دیا ہے۔ کتاب ۴۷ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب جامع معلومات پر مشتمل ہے۔ صحابہ کو تعلیم دیتے وقت رسول اللہ ﷺ نے ہر وہ انداز اختیار فرمایا ہے جس سے بات آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جائے۔ آپؐ نے پوچھنے والوں کے سوالات کے جوابات بھی دیے ہیں' تفہیم کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے مثال' تشبیہہ اور قیاس سے بھی کام لیا ہے' مخاطبین کے ساتھ اپنائیت کا طریقہ بھی اپنایا ہے جو تفہیم میں آسانی پیدا کرتا ہے اور علم کی فضیلت اور طالبانِ علم کی عظمت بھی واضح کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے طریقِ تعلیم پر یہ نہایت جامع کتاب ہے جو مصنف کی تعلیم و تدریس کے ساتھ گہری وابستگی اور آپ ﷺ کے ساتھ سچی عقیدت کا مظہر ہے۔ اس کتاب سے ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے' خاص طور پر معلمین کے لیے تو یہ بہترین راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی تمام معلومات پختہ اور مستند ہیں جن کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔ غیر مستند روایات درج کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔ کتاب کی خوبصورت کمپوزنگ' عمدہ ترتیب' اعلیٰ سفید کاغذ اور دلکش ٹائٹل مصنف اور ناشر کے اعلیٰ ذوق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(۲)

نام کتاب : احکامِ دعا اور زادِ مسلم
مصنف : فضیلۃ الشیخ عبداللہ الخضری' فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جار اللہ
ترجمہ و تفہیم : پروفیسر محمد یوسف ضیاء
نظر ثانی : فضیلۃ الشیخ ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور
ضخامت : 312 صفحات ۔ قیمت: 160 روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ نور اسلام' رحمٰن مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار لاہور

اپنے خالق و مالک کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا نہایت اچھا عمل ہے۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے جن الفاظ میں دعائیں مانگیں وہ کتبِ احادیث میں درج ہیں۔ ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ فرمانِ نبویؐ کی رو سے دعا عبادت کا مغز ہے' بلکہ دعا ہی عبادت ہے۔ نماز خود دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت دعا ہے' مسجد سے نکلتے وقت دعا ہے' سحری کے وقت دعا ہے' افطاری کے وقت دعا ہے' بازار میں جاتے وقت دعا ہے۔ الغرض دعا ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ شب و روز کے تمام اوقات کے لیے ہمیں دعائیں سکھائی گئی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کے دو حصے ہیں۔ دراصل یہ دو کتابوں "الدُّعاء" اور "زاد المُسلم الیومی" کا مجموعہ ہے۔ اول الذکر فضیلۃ الشیخ عبداللہ الخضری کی ہے جبکہ دوسری فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جار اللہ بن ابراہیم کی تالیف ہے۔ پروفیسر محمد یوسف ضیاء نے ان دونوں کا بڑا خوبصورت ترجمہ کیا ہے اور دونوں کتابوں کو یکجا کر دیا ہے۔ پہلا حصہ جو احکامِ دعا پر مشتمل ہے' اس کے گیارہ ابواب ہیں' ہر باب میں دعا کے مختلف آداب کا ذکر ہے۔ چند ابواب کے عنوانات اس طرح ہیں: دعا کی شرائط' فضیلت کے اوقات' دعا میں ناپسندیدہ کام' دعا کے مسائل' حقیقتِ وسیلہ اور دعا کی بدعات۔

دوسرا حصہ مسنون دعاؤں کا مجموعہ ہے جس میں شب و روز کے مختلف اوقات کے لیے مخصوص دعائیں درج ہیں۔ درود شریف کی فضیلت اور مسنون الفاظ تحریر کیے گئے ہیں۔ نماز جنازہ کے احکام اور دعاؤں کے علاوہ استغفار اور استعاذہ کی دعائیں بھی درج کی گئی ہیں۔

کتاب بہت مفید اور لائق مطالعہ ہے۔ دعا کے ضمن میں کئی رائج الوقت بدعات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ تمام احادیث اور اوراد و وظائف کے حوالہ جات درج کیے گئے ہیں۔ کتاب کی کمپوزنگ معیاری' کاغذ سفید اور ٹائٹل خوبصورت اور دلکش ہے۔

❁❁❁

- قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ؟
- قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کا فلسفہ کیا ہے؟
- عیدالاضحیٰ اور قربانی میں باہم چولی دامن کا ساتھ کیوں ہے؟
- حج کے موقع پر منیٰ میں کی جانے والی قربانی اور اس موقع پر پوری دنیا میں کی جانے والی قربانی میں کیا ربط وتعلق ہے؟

ان سوالات کی وضاحت کے لیے مطالعہ کیجئے:

عیدالاضحیٰ اور فلسفہ قربانی

اور

حج اور عیدالاضحیٰ اور اُن کی اصل روح

قرآن حکیم کے آئینے میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل مختصر مگر جامع کتابچہ

قیمت اشاعت خاص: 20 روپے ' اشاعتِ عام: 12 روپے

(علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501